حدیث خلابہ اور فقہی اجتہادات

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی

"حدیث خلابہ" سے مراد وہ روایت ہے جو ایک صحابی رسولؐ "حبّان بن منقذ" یا ان کے والد منقذ بن عمروؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں بیشتر اوقات خرید و فروخت کے معاملات میں دھوکہ ہو جاتا تھا جس کی بنا پر انہیں نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور مجھے تین دن کا اختیار حاصل ہوگا۔

" اذا بایعت فقل لاخلابة ولی الخیار ثلاثة ایام "

خلابہ کے لغوی معنی "خلابہ" کا لفظ "خَلب" سے بنا ہے۔ ناخن کو خِلب کہتے ہیں جس کی جمع "اخلاب" ہے۔ خَلَبَہٗ اس موقعہ پر کہتے ہیں جب پرندہ ناخن مار کر زخمی کر دے۔ شکار کرنے والے پرندے کو مخلب کہتے ہیں شکار کرنے والا پرندہ اپنے شکار کو دبوچ لے، اس وقت کہا جاتا ہے کہ خَلَبَ الْفَرِیْسَۃَ، درندہ جب اپنے شکار کو چیر پھاڑ دے تو اس وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عورت اپنی دلکش باتوں سے مرد کا دل جیت لے تو اسے "خلابۃ" کہا جاتا ہے۔ "البرق الخُلّب" ایسے بادلوں کو کہتے ہیں جو گھرے گھر کر آئیں اور ان میں بجلی چمک رہی ہو جس سے لوگ یہ سمجھ لیں کہ بارش ہونے والی ہے۔ مگر بارش نہ ہو لے

لین نے اس لفظ کی عمدہ تشریح کی ہے جو باختصار بیان کی جاتی ہے۔

سحاب خلب that thunder and lighten, containing no rain: or wherof the lightning flashes slightly, so that one hopes for their raining, but which deceive the expectation, and become dispersed: and البرق خلب and برق الخلب and برق خلب Lightning with which is no rain: as though deceiving; that excites hope (of rain) and breaks its promise. Hence the saying, to him who promises and does not fulfil his promise, انما انت كبرق خلب (thou art only like lightning with which is no rain). And فلان خلب قلب such a one is sharp in intellect, clever, ingenious, skilful, knowing, or intelligent. خلب فلانا عقله He despoiled, or deprived, such a one of his reason: or خلب المرأ تعقلها he despoiled, or deprived, the woman of her reason: and خلبت عقله she took away his reason; and (hence,) خلابة signifies, the endearouring to deceive or beguile with blandishing speech: or deceiving with the tongue: or a woman's captivating the heart of a man by the most blandishing and deceiving speech. (2)

("سحاب خلب" کے معنی ہیں ایسا بادل جس میں گرج چمک ہو لیکن وہ برسے نہیں، یا ایسا بادل جس میں ہلکی ہلکی چمک ہو، جس سے بارش کی امید بندھ جائے مگر یہ امید پرفریب ثابت ہو اور ختم ہو جائے۔ البرق الخلب اور برق الخلب اور برق

خلب کے معنی ہیں ایسی چمک جس میں بارش نہ ہو، مگر اس سے فریب ہوتا ہو اور یہ امید قائم ہوتی ہو کہ بارش ہو جائے گی لیکن یہ امید پوری نہ ہو۔ اسی لیے اس شخص کو جو وعدہ کرکے پورا نہ کرے، کہا جاتا ہے کہ " انما انت کبرق خلب" (تمہارے اندر صرف چمک ہے، بارش نہیں) اور فلاں خلب قلب وہ شخص جو زیرک سمجھ دار ہوشیار ذہین وفطین ہو اور سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ خلب فلاناً عقلہ کے معنی ہیں کہ اس نے فلاں کی عقل سلب کرلی، خلب المرأۃ عقلها کے معنی ہیں کہ مرد نے عورت کی عقل سلب کرلی، یا خبط کردی۔ خلبت عقلہ کے معنی ہیں کہ عورت نے مرد کو اس کی عقل سے محروم کردیا۔

اس اعتبار سے خلابہ کے معنی ہوں گے خوب صورت اور پرفریب باتوں سے کسی کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا، یا زبان سے کسی کو دھوکہ دینا یا کسی عورت کا پرفریب اور باتوں سے کسی مرد کا دل جیت لینا۔)

اس لغوی تشریح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی دھوکہ دے کر اچانک نقصان پہنچا دینے کے ہیں۔ جانور اپنے شکار پر جھپٹتا ہے تو اسے غفلت میں دبوچ لیتا ہے۔ اس لیے خلابہ کے معنی نرم اور میٹھی زبان سے ایسا دھوکہ دینے کے ہیں جو نقصان کا حامل ہو (SWINDLING)

حدیث خلابہ کے اساسی متن

حدیث مذکور متعدد روایات سے مروی ہے اور ان سب کی تلاش وتحقیق سے پانچ اساسی متن سامنے آتے ہیں، جو یہ ہیں:

"عن ابن عمر قال ذکر رجل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہ یخدع فی البیوع، فقال من بایعت فقل لاخلابۃ"[۱۹]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ اسے خریداری میں دھوکہ ہو جاتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ تم جس شخص سے کوئی شئے خریدو تو کہہ دیا کرو " لاخلابۃ " (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔

"عن انس ان رجلا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان یبتاع وکان فی عقدته ، یعنی فی عقله ضعف ، فاتی اهله النبی صلی الله علیه وآله وسلم فقالوا : یا رسول الله صلی الله علیه وسلم احجر علی فلان فانه یبتاع وفی عقدته ضعف ، فدعاه ونهاه ، فقال یا نبی الله انی لا اصبر عن البیع ، فقال ان کنت غیر تارک للبیع فقل ها وها ولا خلابة"[۴]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص خریداری کیا کرتا تھا، اس کی عقل کمزور تھی ۔ اس کے اہل خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ فلاں شخص پر پابندی لگا دیجئے کیونکہ وہ خریداری کرتے ہیں اور ان کی عقل کمزور ہے ۔ آپ نے اسے بلایا اور منع فرمایا تو اس نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خریداری سے نہیں رک سکتا ۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم خریداری سے نہیں رک سکتے تو یہ کہہ دیا کرو "لا خلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا)۔

وعن عمر ان منقذا سفع فی رأسه فی الجاهلیة مامومة فخبلت لسانه ، فکان اذا بایع یخدع فی البیع ، فقال له رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم : بایع وقل ، لا خلابة ثم انت بالخیار ثلاثا . قال ابن عمر فسمعته یبایع ویقول : لا خلابة لا خلابة[۵]

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ منقذ کے سر میں زمانہ جاہلیت میں چوٹ آگئی تھی جس سے ان کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہوگئی اور وہ جب کوئی شئے خریدتے تو اس میں نقصان ہوجایا کرتا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ جب تم کوئی شئے خریدو تو یہ کہہ دیا کرو "لاخلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا) پھر تمہیں تین دن کا اختیار رہوگا ۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے انکو خریداری کرتے ہوئے سنا کہ "لاخلابۃ" "لاخلابۃ"

عن محمد بن یحیی بن حبان قال : هو جدی منقذ بن عمرو

وکان رجلا قد اصابته اٰمّة فی راسه فکسرت لسانه، وکان لا یدع علی ذٰلك التجارة ، فکان لا یزال یغبن فاتی النبی صلی اللہ علیه وسلم فذکر ذٰلك له، فقال : اذا انت بایعت فقل لا خلابة، ثم انت فی کل سلعة ابتعتها بالخیار ثلاث لیال، ان رضیت فامسك، وان سخطت فاردها علی صاحبها[۱]

ترجمہ: محمد بن یحییٰ بن حبان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ یہ صاحب میرے دادا منقذ ابن عمرو ہیں ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس سے ان کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہوگئی تھی مگر یہ اس کے باوجود تجارت سے باز نہیں آتے تھے اور مستقل نقصان اٹھاتے رہتے تھے ، اس پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے یہ بات بیان کی تو آپ نے فرمایا جب تم کوئی شئے خریدو تو " لاخلابہ " کہہ دیا کرو ، پھر جو شئے تم خریدو اس میں تمہیں تین دن کا اختیار حاصل ہوگا اگر تم چاہو تو اس شئے کو رکھ لو اگر تم چاہو تو اس کے مالک کو واپس کر دو۔

۵۔ عن طلحة بن یزید بن رکانة انه کلم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه فی البیوع فقال ما اجد لکم شیئا اوسع مما جعل رسول اللہ صلی اللہ علیه واٰله وسلم لحبان بن منقذ انه کان ضریر البصر فجعل له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عهدة ثلاثة ایام ان رضی اخذ وان سخط ترك[۲]

ترجمہ: طلحہ بن یزید بن رکانہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب سے خریداری کے بارے میں گفتگو کی ۔حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس تمہارے لیے اس سے زیادہ وسعت موجود نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان ابن منقذ کو عطا فرمائی تھی ، وہ نابینا تھے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین دن کا اختیار دیا تھا وہ اگر چاہیں تو اس شئے کو لے لیں اور چاہیں تو ترک کر دیں "

صاحب واقعہ کی شخصیت

روایات میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث حبان ابن منقذ کے بارے میں ہے، یا ان کے والد منقذ بن عمرو کے بارے میں۔ کیونکہ بعض روایات میں منقذ ابن عمرو کا نام آیا ہے اور بعض روایات میں حبان ابن منقذ کا نام ہے اور کہیں "ایک شخص" (ان رجلا) کہا گیا ہے۔ خود ان دونوں اصحاب (حبان اور منقذ) کے تذکروں میں بھی التباس پایا جاتا ہے۔

حبان بن منقذ بن عمرو بن عطیہ صحابی رسول ہیں۔ آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو خزرج سے ہے۔ انہوں نے جنگ احد اور بعد کے غزوات میں شرکت کی ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب الصغری ان کے نکاح میں آئیں اور ان کے دو صاحبزادے ہوئے یحییٰ بن حبان اور واسع بن حبان۔ حبان بن منقذ، محمد بن یحییٰ بن حبان کے دادا ہیں جو امام مالکؒ کے استاد تھے[۸]

منقذ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے کہ کسی قلعہ سے انہیں پتھر مارا گیا جس سے ان کے دماغ میں ایسی چوٹ آئی کہ زبان میں سقم اور عقل میں فتور پیدا ہو گیا۔ لیکن بالکل ہی امتیاز و شعور سے عاری نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی ایک سو تیس ۱۳۰ سال کی عمر ہوئی[۹] یہ بھی روایت ہے کہ انھیں یہ چوٹ اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانے میں لگی تھی[۱۰]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی صحیح روایات میں "ان رجلا" (ایک شخص) آیا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ، ابن الجارود، حاکم اور دارقطنی نے حبان بن منقذ کا نام لے کر روایت نقل کی ہے[۱۱] بیہقی اور مسند الحمیدی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی روایت میں منقذ بن عمرو کا نام آیا ہے۔ بیہقی کی حضرت انس سے مروی روایت میں حبان بن منقذ کا نام آیا ہے، مگر اس میں ابن ربیعہ منفرد ہے[۱۲]

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت چار مقامات پر درج کی ہے اور چاروں مقامات پر ان رجلاً کے الفاظ ہیں۔ جبکہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص منقذ بن عمرو ہیں۔

منقذ بن عمرو المازنی الانصاری مدنی له صحبة جد محمد بن یحیٰی
بن حبان قال عیاش بن الولید نا عبد الاعلی قال نا محمد بن
اسحاق قال حدثنی محمد بن یحیٰی بن حبان قال کان جدی منقذ
بن عمرو اصابته اٰمة فی راسه فکسرت لسانه ونازعت عقله
وکان لا یدع التجارة ولا یزال یغبن فذکر ذٰلك لرسول اللّٰه صلی
اللّٰه علیه وسلم فقال اذا بعت فقل لا خلابة وانت فی کل سلعة
ابتعتها بالخیار ثلاث لیال، وعاش ثلاثین ومائة سنة
وکان فی زمن عثمان حین کثر الناس یبتاع فی السوق فیغبن
فیصیر الی اهله فیلومونه فیوده ویقول ان النبی صلی اللّٰه علیه
واٰله وسلم جعلنی بالخیار ثلاثا حتّٰی یمر الرجل من اصحاب
النبی صلی اللّٰه علیه واٰله وسلم فیقول صدق[۱]

ترجمہ: منقذ ابن عمرو مازنی انصاری ایک مدنی صحابی ہیں اور محمد ابن یحییٰ ابن حبان کے
دادا ہیں۔ عیاش ابن ولید نے بیان کیا کہ ہم سے عبد الاعلیٰ نے بیان کیا، انھوں
نے کہا کہ ہم سے محمد ابن اسحاق نے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن
یحیٰی بن حبان نے بیان کیا کہ یہ میرے دادا منقذ ابن عمرو تھے۔ ان کے سر میں
چوٹ لگ گئی تھی جس سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی اور عقل میں فتور آگیا تھا۔
یہ تجارت نہیں چھوڑتے تھے اور مستقل نقصان اٹھاتے رہتے تھے۔ انہوں نے
اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جب
کوئی شئے خریدو تو "خلابہ" کہہ دیا کرو۔ ان کی عمر ۱۳۰ سال ہوئی حضرت عثمان
کے زمانے میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی اس وقت بھی وہ بازار جاتے خریداری
کرتے اور نقصان اٹھاتے۔ اس پر ان کے اہل خانہ انھیں ملامت کرتے جس
پر وہ اس شئے کو واپس کر دیتے اور کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین
دن کا اختیار دیا ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کا گذر ہوتا

تو وہ کہتے کہ ہاں یہ سچ کہہ رہے ہیں۔

عن محمد بن اسحاق عن نافع، ان عبد الله بن عمر حدثه ان رجلا من الانصار كان بلسانه لوثة، وكان لا يزال يغبن فى البيوع، فاتى رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم فذكر ذلك له، فقال: اذا بعت فقل لا خلابة مرتين، قال محمد وحدثنى محمد بن يحيٰى بن حبان قال: هو جدى منقذ بن عمرو، وكان رجلا قد اصابته اٰمة فى رأسه فكسرت لسانه ونازعته عقله وكان لا يدع التجارة ولا يزال يغبن، فاتى رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم فذكر له ذلك، فقال: اذا بعت فقل لا خلابة ثم انت فى كل سلعة تبتاعها بالخيار ثلاث ليال، فان رضيت فامسك، وان سخطت فاردها على صاحبها، وقد كان عمر عمر طويلا عاش ثلاثين ومائة سنة، وكان فى زمن عثمان بن عفان رضى الله عنه حين فشا الناس وكثروا، يتبايع البيع فى السوق ويرجع به الى اهله وقد غبن غبنا قبيحا، فيلومونه ويقولون لم تبتاع؟ فيقول: انا بالخيار ان رضيت اخذت وان سَخِطتُ رددت، قد كان رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم جعلنى بالخيار ثلاثا، فيرد السلعة على صاحبها من الغد وبعد الغد، فيقول: والله لا اقبلها، قد اخذت سلعتى، واعطيتنى دارهم، قال يقول: ان رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم قد جعلنى بالخيار ثلاثا، فكان يمر الرجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم فيقول للتاجر: ويحك انه قد صدق ان رسول الله صلى الله عليه واٰله وسلم قد كان جعله بالخيار ثلاثا قال ونا محمد بن اسحاق نا محمد بن يحيٰى بن حبان قال: ماعلمت ابن الزبير جعل العهدة

تلاثا الا لذلك، من امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی منقذ بن عمرو ۔[۱۲]

ترجمہ: ابن اسحاق نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے ان سے بیان کیا کہ ایک انصاری شخص کی زبان میں تتلاہٹ تھی اور انہیں خریداری میں نقصان ہوجاتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی شئے خرید و تو دو مرتبہ " لاخلابہ " کہہ دیا کرو۔ محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد ابن یحیٰی ابن حبان نے بیان کیا کہ یہ صاحب میرے دادا منقذ ابن عمرو تھے۔ ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس سے زبان میں تتلاہٹ اور عقل میں فتور پیدا ہوگیا تھا۔ مگر وہ تجارت ترک نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ نقصان اٹھاتے رہتے تھے۔ اس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی شئے خرید و تو " لاخلابہ " (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا) کہہ دیا کرو، پھر تم جو شئے خریدو گے اس میں تمہیں تین دن کا اختیار حاصل ہوگا اگر چاہو تو اسے رکھ لو اور اگر چاہو تو مالک کو واپس کردو۔ ان صاحب کی طویل عمر ہوئی اور ۱۳۰ سال زندہ رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تھی اور وہ بازار میں کوئی شئے خریدتے تو انہیں بہت بڑا نقصان ہوتا اور جب اہل خاندان کے پاس واپس آتے تو وہ انھیں ملامت کرتے اور کہتے کہ تم کیوں خریداری کرتے ہو اس پر وہ کہتے کہ مجھے اختیار ہے اگر میں چاہوں تو اس شئے کو رکھوں گا۔ ورنہ واپس کر دوں گا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کا اختیار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس شئے کو اگلے روز یا تیسرے روز واپس کر دیتے تھے اور کہتے کہ قسم بخدا میں اس شئے کو قبول نہیں کرتا۔ تم یہ چیز واپس لے لو اور مجھے درہم واپس دیدو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دن کا اختیار دیا ہے۔ وہاں سے کسی صحابی رسولؐ کا گزر ہوتا تو وہ تاجر سے کہتے سنو یہ صاحب سچ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین دن کا اختیار

دیا ہے ۔ راوی کہتے ہیں ہم سے محمد ابن اسحاق نے بیان کیا ہم سے محمد ابن یحییٰ ابن حبان نے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت زبیر نے جو تین دن کا عہد مقرر کیا تھا اس کی وجہ منقذ ابن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی اجازت تھی ۔)

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے " التاریخ الکبیر" میں منقذ بن عمرو کے ذکر میں بیان کیا ہے۔

جبکہ امام بخاری "صحیح البخاری" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث چار مقامات پر لائے ہیں اور چاروں میں " ان رجلاً " (ایک شخص) کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری اس " ایک شخص " کو منقذ بن عمرو سمجھتے ہیں ۔

حافظ ابن حجر" فتح الباری " میں فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت کو ابن مندہ نے ابن اسحاق سے ایک اور طریقہ سے بھی نقل کیا ہے[۱۵]

نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں باب الرد علی ابی حنیفہ میں بھی نقل کیا ہے[۱۶]

امام نوویؒ اور عبدالحق نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق منقذ بن عمرو سے ہے ۔ جبکہ ابن الطلاع کی رائے ہے کہ یہ صاحب حبان بن منقذ ہیں اور خطیب اور ابن الجوزی نے ان دونوں کے بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے[۱۷]

بعض اور علماء نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ صاحب واقعہ حبان بن منقذ ہیں ۔

میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اذا بایعت فقل لاخلابة " کے کلمات حبان بن منقذ اور ان کے والد منقذ بن عمرو دونوں سے فرمائے ہوں اور مختلف اوقات میں یہ رخصت دونوں کو عطا فرمائی ہو ۔

صاحب واقعہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے وہاں انھیں کسی قلعہ سے پتھر مارا گیا ، جو ان کے سر میں لگا جس سے زبان میں اختلال اور عقل میں فتور پیدا ہوگیا جبکہ یہ بھی روایت ہے کہ انھیں یہ چوٹ لگی ہو اور حبان بن منقذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کے دوران سر میں پتھر لگا ہو ۔

روایات اور کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ منقذ بن عمرو کو چوٹ لگی تھی جس سے ان کی زبان اور عقل متاثر ہو گئے تھے جبکہ حبان بن منقذ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ وہ نابینا تھے (وکان ضریر البصر) اور یہ بھی آتا ہے کہ وہ کمزور شخص تھے (وکان رجلا ضعیفا) ۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں جس طرح کی ذہنی اور جسمانی کمزوریوں کی بنا پر منقذ بن عمرو " کو نقصان اٹھانا پڑا کرتا تھا اسی طرح کی ذہنی اور جسمانی کمزوریوں کی بنا پر حبان بن منقذ بھی نقصان اٹھایا کرتے تھے ۔ اس لیے ہر دو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ قانونی رخصت عطا فرمائی (واللہ اعلم)

چونکہ منقذ بن عمرو یا حبان بن منقذ خود راوی حدیث نہیں ہیں اور حدیث کی سند اور صحت پر ان کے نام کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا ، اس لیے محدثین اور اصحاب فن رجال نے ان کے نام کے تعین کی زیادہ سعی نہیں کی ہے ۔ اسی طرح چونکہ نام کے عدم تعین سے اس حدیث کی روشنی میں کیے گئے اجتہادات پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ اس لیے فقہاء نے بھی نام کے تعین کے مسئلہ سے اعتنا نہیں کیا ہے ۔

حدیث خلابہ ، فقہی اجتہادات کا محور

حدیث خلابہ کو فقہاء نے جس طرح مختلف فقہی اجتہادات کا محور بنایا ہے وہ اس امر کی نشاندہی کے لیے کافی ہے کہ فقہاء کرام نے فقہ کی نشو و نما اور استنباطات میں قرآن و سنت ہی کو مدار اخذ و استنباط بنایا ہے اور ان دونوں مصادر کے علاوہ فقہائے کرام نے جو دلائل دیے ہیں ان کی حیثیت ضمنی دلائل اور مویدات کی ہے ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ شریعت اسلامی کے اصل مصادر تین ہی ہیں ۔ قرآن و سنت اور اجتہادات ۔ چنانچہ اس کی تائید حدیث معاذ سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے ذکر کے بعد " اجتہد " فرمایا اور اس کو دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے پذیرائی بھی حاصل ہوئی ۔ فقہاء کرام کے بیان کردہ اصول اربعہ یا دلائل اربعہ (کتاب ، سنت ، اجماع اور قیاس) کی تقسیم منطقی سے زیادہ اختراجی ہے ۔

قیاس بقول امام شافعی اجتہاد کا دوسرا نام ہے ۔ (الرسالۃ ص ۷۷، ۴، بتحقیق احمد محمد شاکر، الطبعۃ اولی ۱۹۴۰ء) اور حضرت عمر نے بھی اپنے مشہور مکتوب میں "قیاس" کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ (اعلام الموقعین) جبکہ "اجماع" کسی اجتہادی معاملہ پر صحابہ کرام یا امت کے اتفاق سے عبارت ہے قرآن وسنت اور اجتہاد کے علاوہ "استصلاح" "استحسان، عرف، سد الذرائع، اور شرائع قدیم وغیرہ کی حیثیت مصادر اصلی کی نہیں بلکہ اجتہاد کے دلائل اور مؤیدات کی ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں تبعی مصادر یا ضمنی مصادر کہا جاتا ہے۔

لفظی اختلاف اور اصطلاحی فرق سے صرف نظر کرتے ہوئے جو حقیقت ہمارے سامنے آشکارا ہوتی ہے وہی ہے کہ فقہاء اسلام نے عملاً اور فی الواقع یہی صورت اختیار کی ہے کہ قرآن وسنت ہی کو اصل اور بنیادی ماخذ بنایا ہے اور کسی معاملہ میں قرآن وسنت کے سکوت یا عدم وضاحت کی صورت میں جو اجتہاد کیا ہے وہ بھی انہی اصولوں کی روشنی میں کیا ہے۔ جو خود قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں اور اس اجتہاد کے ضمن میں انہوں نے جو عقلی یا نقلی تائیدات فراہم کی ہیں وہ ایسے امور پر مشتمل ہیں جو اپنی اساس اور تصور کے لحاظ سے قرآن و سنت سے متصادم نہیں ہے ۔ اس لحاظ سے فقہاء کے اجتہادات بھی عملاً قرآن وسنت کی ہی فقہی تشریح اور توضیح بن جاتے ہیں ۔ (Leugal interpretation of Quran and Sunnah

قرآن وسنت کی متعدد نصوص میں جھوٹ دھوکہ دہی اور فریب کی واضح اور بالتصریح ممانعتیں وارد ہوئی ہیں ۔ اسی طرح معاملات میں ہر قسم کی دھوکہ دہی، فریب اور ضرر و نقصان پہنچانے کی کسی طرح کی کوشش شریعت میں ممنوع قرار دی گئی ہے ۔ اور اس سلسلہ میں متعدد تصریحات موجود ہیں ۔ زیر نظر حدیث میں " لاخلابہ " کہنے کے حکم کا مقصود تنبیہ اور سرزنش ہے ، اور اس ممانعت کا موضوع یہ ہے کہ مخدوع (فریب خوردہ) کو اختیار حاصل ہو کہ فریب کے ثابت ہوجانے کے بعد اگر وہ چاہے تو عقد کو برقرار رکھے اور چاہے تو باطل کر دے ۔ یہ امر واضح ہے کہ اس حکم میں بیع کے علاوہ دوسرے معاملات بھی داخل ہیں کیونکہ شریعت نے فریب کو تمام معاملات میں اور تمام صورتوں میں عمومی طور پر ممنوع قرار دیا ہے ۔ اس اختیار (خیار) کے لازم کرنے کا مقصود فریب کی بنا پر عاقد کو جو نقصان

پہنچا ہے اس نقصان کو رفع کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں "الحجر" کا لفظ بھی موجود ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان صاحب کے مالی تصرفات پر پابندی لگا دیجئے۔ اس لحاظ سے ہم اس حدیث کے تحت ہونے والے فقہی اجتہادات کو عنوانات سہ گانہ — خلابہ — خیار — اور حجر — کے تحت بیان کریں گے۔

الف .... خلابہ

"خلابہ" کا فقہی مفہوم یہ ہے کہ

ان يخدع احد العاقدين الأخر بوسيلة موهمة قولية او فعلية تحمله على الرضا فى العقد بما لم يكن ليرضى به لولاها"[۱۸]

ترجمہ: عاقدین میں سے ایک دوسرے کو کسی قولی یا فعلی طریقہ سے اس طرح دھوکہ دے کہ وہ عقد کرنے پر اس حال میں رضا مند ہو جائے کہ اگر یہ دھوکہ نہ ہوتا تو وہ اس عقد پر رضا مند نہ ہوتا۔

اسلامی شریعت کے فقہاء اور ماہرین قانون "فریب" کی جملہ صورتوں کو "تدلیس" Swindling کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں، جبکہ بعض اوقات فقہائے کرام نے بائع Seller کے مبیع Thing sold میں کسی عیب کے چھپانے کے لیے بھی تدلیس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم نے خلابہ کے لفظ کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ اولاً تو اس حدیث میں وارد ہوا ہے جس کو تمام مسالک کے فقہاء نے اس موضوع کی خاص تشریعی نص کا درجہ دیا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ لفظ دھوکہ اور فریب کے معنی پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تدلیس کا لفظ بائع کے مبیع کا عیب چھپانے کے معنی کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور خلابہ کی متعدد صورتوں میں سے ایک صورت بن جائے گی[۱۹]

عقد کے ارادے پر اثر انداز ہونے والے اہم حالات میں سے "خلابہ" ایک حالت ہے جو کسی خاص شرط یا بعض متعین وسائل میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ عاقد کو فریب دینا اور اس کو اس وہم میں ڈالنے کا ہر وسیلہ جو سے عقد پر آمادہ کر دے، خلابہ میں داخل ہے۔

خلابہ کی بعض صورتیں بڑی واضح ہیں اور اس کے بعض وسائل لوگوں میں عام ہیں، جن کو مختلف مسالک کے فقہاء نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کی ممانعت بطور خاص بیان ہوئی ہے۔ "خلابہ" کی چار مشہور صورتیں یہ ہیں:

۱۔ خیانت	۲۔ تناجش
۳۔ تغریر	۴۔ تدلیس العیب[۲۰]

۱۔ خیانت

معاملات میں امانت ایک لازمی دینی فریضہ ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں امانت اختیار کرنے پر اس قدر زور دیا ہے کہ دین ہی کو "امانت" کہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له"[۲۱]

نیز ارشاد فرمایا ہے کہ

"من غش فلیس منا"[۲۲]

بیاعات الامانة

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے معاملات میں امانت کو لازمی قرار دیا ہے اور خیانت "دھوکہ دہی" اور فریب سے احتراز پر اس حد تک اصرار کیا ہے کہ بیع (Contract of sale) کی بعض قسموں کو "بیاعات الامانة" کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے، جس کا مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے معاملات سے زیادہ آگاہی نہ ہو وہ معاملہ کرتے وقت دھوکہ اور فریب سے بچ سکے اور اسے یہ گنجائش میسر آجائے کہ وہ متعین اور مخصوص حدود میں رہتے ہوئے معاملہ کرے اور ان حدود سے تجاوز دھوکہ اور فریب متصور کیا جائے۔

"بیاعات الامانة" میں مرکزی بات یہ ہے کہ خریدار (Purchaser) بائع (Seller) پر اعتماد کر کے اور اس کے ضمیر و ایمان پر بھروسہ کر کے کوئی شئے اسی قیمت (Price) پر خریدے جس پر خود بائع نے خریدی ہے۔ اگر بائع نے جس قیمت پر وہ شئے خریدی ہے وہ اس میں اپنے نفع کی مقررہ مقدار شامل کر دیتا ہے تو اس بیع کو "بیع مرابحہ"

کہا جائے گا ۔ اگر بائع اس اصل قیمت میں بھی کمی کر دیتا ہے جس میں اس نے یہ شئے خریدی تھی اور نقصان خود برداشت کرتا ہے تو اس بیع کو " وضیعہ " کہا جاتا ہے اور اگر بغیر کسی کمی بیشی کے اسی قیمت میں دے دیتا ہے اور خریدار وہ ساری شئے خرید لیتا ہے تو اس معاملہ کا نام " تولیہ " ہے اور اگر خریدار قیمت کے تناسب سے اس شئے کا کچھ حصہ خریدتا ہے تو اس کا نام " اشتراک " ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بائع نے جس قیمت میں اس شئے کو فروخت کیا ہے اس کی ان بیوع میں بڑی اہمیت ہے کیونکہ یہی وہ اساس و بنیاد ہے جس پر یہ معاملہ طے پا رہا ہے ۔ اس لیے لازمی ہے کہ بائع (فروخت کنندہ) اس معاملہ میں حد درجہ امانت اور نزاہت تعامل اختیار کرے اور ضروری حد تک معاملہ کی تفصیل بیان کرے ۔ کیونکہ اس صورت میں خریدار بائع کے اعتماد ہی پر معاملہ کر رہا ہے اور اس اعتماد کے سوا معاملہ کی کوئی اور اساس نہیں ہے اس لیے بائع کی جانب اس بیان میں کسی طرح کی دروغ گوئی خیانت دھوکہ اور فریب شمار ہوگی اور معاملہ اس اساس پر برقرار نہیں رہ سکے گا ۔

بائع کا قیمت کے بارے میں مجمل بیان معتبر نہ ہوگا بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ وہ معاملہ سے متعلق تمام ملحقہ امور اور جملہ اوصاف بالتفصیل بیان کر دے یعنی یہ کہ قیمت کی ادائیگی فی الفور تھی یا ادھار تھی ، اس کی ادائیگی کی کوئی معیاد مقرر ہوگئی تھی یا بالاقساط ادا کرنا تھا ۔ یہ قیمت نقد ادا کرنی تھی یا شئے اس قرض (دین) کے بدلے خریدی گئی جو اس بائع کے ذمہ پہلے بائع کا لازم تھا ، اور قیمت کے دین کی صورت میں ادا ہونے کا طریقہ کیا تھا ، " مماکسہ " " مساومہ " یا " صلح " ؟ ۔

ازاں بعد بائع اس شئے کے بارے میں بتائے کہ وہ جس حالت میں خریدی گئی تھی ، اسی حالت میں موجود ہے یا اگر خریداری کے بعد کوئی عیب پیدا ہوگیا ہے تو اس عیب کی وضاحت کرے اور یہ بھی کہ یہ عیب خود اس کے اپنے کسی فعل کی بنا پر پیدا ہوا ہے ، یا کسی اور کے فعل سے ہوا ، یا تقدیر و قضا کے کسی عمل سے ہوا ہے ۔

یہ سب پہلو خریدار کی رضا مندی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں کذب بیانی سے بیع میں دھوکہ اور فریب ، شامل ہو جائے گا ۔

علامہ سرخسیؒ کا بیان بیاعات امانت کے بارے میں علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ

اگر کسی شخص نے کوئی شئے ادھار ادائیگی پر خریدی تو اس کے لیئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اس شئے کو "مُرابحہ" کے طور پر فروخت کرے، الا یہ کہ وہ خریدار کو یہ بتا دے کہ اس نے یہ شئے ادھار ادائیگی پر خریدی ہے کیونکہ "بیع مرابحہ" "بیع امانت" ہے۔ جس میں ضروری ہے کہ نہ کوئی تہمت ہو اور نہ کوئی نا انصافی، بلکہ کوئی شبہ باقی نہ رہ جانا چاہیے اس لیے کہ بیع "مرابحہ" میں اس میں سے کوئی امر جائز نہیں ہے۔

اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص ادھار ادائیگی کی شرط پر کوئی شئے خریدتا ہے تو بالعموم اس شئے کو اس قیمت سے زائد پر خریدتا ہے جو اسکی نقد ادائیگی کی صورت میں ہوتی ہے۔ اب اگر بائع (فروخت کنندہ) صرف اس شئے کی خریداری کے بارے میں بتلاتا ہے تو اس سے سننے والے کے ذہن میں اس شئے کی نقد ادائیگی والی قیمت آئے گی اور اسطرح کا بتلانا ایسا ہو جائے گا جیسے اس نے نقد قیمت کی ادائیگی پر خریداری کا ذکر کیا ہو اور یہی بات "بیع مرابحہ" میں ناانصافی قرار پائے گی۔

اس بات کی وضاحت اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ جو شئے ادھار ادائیگی پر لی گئی ہے گویا فی الوقت اس کی قیمت کم ہے، اسی لیے شریعت اس زیادتی کے جو حکماً متقابل سے خالی ہو دو اوصاف میں سے ایک وصف کی موجودگی میں نسیئہ حرام قرار دیا ہے۔

اسلیے اگر بائع اس شئے کو فروخت کر دے اور اس امر سے آگاہ نہ کرے کہ اس نے یہ شئے ادھار ادائیگی پر لی ہے، تو جب خریدار کو بائع کی جانب سے واقع ہونے والی تدلیس کا علم ہوگا اسے خیار حاصل ہوگا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خریدار نے منافع (ربح) کی ذمہ داری اسلیے قبول کی ہے کہ اسے بائع نے بتایا ہے کہ خود اس نے یہ شئے اتنی قیمت پر خریدی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ درحقیقت بائع نے یہ شئے ادھار ادائیگی پر لی تھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ نقد اس قیمت پر بھی خریدنے پر آمادہ نہ ہو چہ جائیکہ وہ اس پر نفع (ربح) بھی ادا کرے۔ اس کے اس ضرر (نقصان) کی تلافی کے لیے خیار (اختیار) کی گنجائش رکھی گئی ہے۔[۲۵]

ابن الہمام کی توضیح ابن الہمام کہتے ہیں کہ

اگر مشتری (خریدار) کو بیع مرابحہ میں خیانت کا علم ہو، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

اسے اختیار رہے کہ تمام قیمت میں اس شئے کو لے لے یا ترک کر دے اور اگر تولیہ میں خیانت کا علم ہو تو اس میں اختیار نہیں ہے ۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں میں سے قیمت کم کی جائے گی اور امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں میں اختیار رہو گا ۔

امام محمد کا موقف یہ ہے کہ اس بیع میں اس قیمت کا اعتبار رہو گا جو طے کی گئی ہے کیونکہ وہی معلوم و متعین ہے ، جبکہ " تولیہ اور مرابحہ " میں ترغیب دینے اور مائل کرنے کا پہلو موجود ہے ۔ اس لیے یہ وصف سلامتی کی طرح مرغوب فیہ ہے اور اس لیے اس کے فوت ہونے پر اختیار رہو گا ۔

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع اصلاً تولیہ اور مرابحہ ہے اسی لیے یہ ان تعبیرات کے ساتھ منعقد ہوتی ہے کہ " وَلَّيْتُكَ بالثمن الاول " (میں نے یہ شئے تمہیں بطور تولیہ پہلی قیمت پر فروخت کی) یا " بعتك مرابحةً على الثمنِ الاول " (میں نے یہ شئے پہلی قیمت پر بطور مرابحہ تم کو فروخت کر دی) ۔ بشرطیکہ قیمت معلوم و متعین ہو ، اسی لیے اسے پہلی قیمت پر مبنی کیا جائے گا اور وہ ظاہر ہے کہ زائد قیمت کو ساقط کر کے ہی ہو گی ۔ لیکن تولیہ میں اصل مال سے خیانت کی مقدار کے بقدر ساقط کی جائے گی اور مرابحہ میں قیمت میں بھی کمی ہو گی اور اسی تناسب سے نفع میں بھی کمی ہو گی ۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر " تولیہ " میں قیمت کم نہ کی جائے تو وہ تولیہ باقی نہیں رہے گی کیونکہ پہلی قیمت میں اضافہ سے اصل تصرف میں فرق آگیا ہے ۔ اس لیے اس زائد قیمت کو ساقط کرنا متعین ہو گیا اور مرابحہ میں اگر یہ زائد قیمت نہ لی جائے تب بھی مرابحہ باقی رہے گی اگرچہ نفع کے تناسب میں فرق ہو گا ۔ اس لیے اگر وہ شئے واپس لینے سے پہلے ضائع ہو جائے یا اس میں ایسی کوئی بات پیدا ہو جائے جو فسخ سے مانع ہو ، تو ظاہری روایات کے اعتبار سے مجموعی قیمت لازم ہو گی ، کیونکہ محض خیار (اختیار) کے بالمقابل کوئی شئے لازم نہیں ہے ۔ جیسا کہ خیار رویت اور خیار شرط ۔ برخلاف خیار عیب کے کہ اس میں ضائع شدہ شئے کے سپرد کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے ۔ اس لیے اس میں شئے کے سپرد کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں اس کا مقابل ساقط ہو جائے گا۔[٢٦]

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک مرابحہ اور تولیہ میں پہلی قیمت ہی کا اعتبار ہے، یعنی وہ قیمت جس پر عقد ہوا ہے۔ اگر خریدار کسی خیانت سے آگاہ ہو جائے تو اسے اس قیمت سے ساقط کر دے جس میں اس نے خریدا ہے۔ یہاں تک کہ عقد (معاملۂ بیع) میں قابل اتفاق توازن پیدا ہو جائے۔

امام محمدؒ کے نزدیک اس طے شدہ قیمت کا اعتبار ہے، جس میں اس نے وہ شئے خریدی ہے اور جس پر عقد ہوا ہے اور خیانت کا نہ پایا جانا ایک پسندیدہ وصف ہے، اس لیے اگر خیانت ظاہر ہو جائے تو خریدار کو اختیار ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "تولیہ" میں پہلی قیمت کا اعتبار ہوگا کیونکہ بیع تولیہ اسی وقت ہوتی ہے جب فروخت کردہ شئے کی قیمت میں کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ اگر خیانت ظاہر ہو تو قیمت کم ہو جائے گی۔ مرابحہ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس قیمت کا اعتبار ہے جس میں وہ شئے خریدی ہے، کیونکہ 'مرابحہ' میں خیانت اس کے وصف میں تبدیلی نہیں کرتی بلکہ یہ بیع بدستور 'مرابحہ' باقی رہتی ہے۔ صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ ربح (نفع) کا تناسب بڑھ جاتا ہے اس لیے اس میں خریدار کو اختیار ہے اور چونکہ مواضعہ ایک ایسی بیع ہے جس میں کسی شئے کی اصل قیمت سے متعلق متعین مقدار کی کمی پر فروخت کی جاتی ہے اس لیے اس میں وہی شرائط اور احکام معتبر ہوں گے جو مرابحہ میں معتبر ہوتے ہیں[۲۴]

فقہ مالکی میں بیاعات الامانۃ کا تصوّر

فقہ حنفی کی طرح فقہ مالکی میں بھی "بیاعات امانۃ" کا تصور موجود ہے چنانچہ "المدونۃ" میں ہے۔

اگر کوئی شخص قرض ادائیگی پر کوئی سامان خریدے اور پھر اسے نقد قیمت پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا چاہے تو اس بارے میں امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ربح کے ساتھ اس شئے کو فروخت کرنا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک وہ خریدار کو یہ نہ بتلا دے کہ اس نے یہ شئے ادائیگی پر خریدی ہے[۲۵]

ابن جزی فرماتے ہیں کہ قیمت کے بتانے میں جھوٹ جائز نہیں ہے اگر بائع جھوٹ

ہوئے اور خریدار قیمت کے زائد ہونے سے آگاہ ہوجائے تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ کل قیمت میں اسی شئے کو رکھے یا واپس کردے سوائے اس کے کہ بائع قیمت سے اور اس نفع سے جس کا ارادہ ہو، اضافہ ساقط کردے تو خریداری لازم ہوجائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ لازم نہیں ہے۔

گویا مسلک مالک میں مرابحہ کا حکم یہ ہے کہ خریدار کو اختیار حاصل ہوگا۔ البتہ اگر بائع اصل قیمت سے اور اس پر حاصل ہونے والے منافع سے اضافہ کو ساقط کردے تو بیع لازم ہوجائے گی۔ اس طرح مسلک مالک میں یہ دونوں امور جمع ہوگئے کہ خریدار کو اختیار حاصل ہوگیا اور بائع کو یہ حق مل گیا کہ وہ زائد اضافہ کو ساقط کرکے معاملہ کرے[۲۹]

فقہ شافعیؒ میں بیوع الامانۃ کا ذکر

فقہ شافعیؒ میں بھی "بیوع الامانۃ" کا ذکر آیا ہے۔ 'المہذب' میں ہے کہ

اگر کوئی شخص کوئی شئے بطور 'مرابحہ'، فروخت کرنا چاہے تو وہ اس طرح فروخت کرسکتا ہے مگر ضروری ہے کہ وہ یہ وضاحت کرے کہ اصل قیمت جس میں اس نے خریدی ہے وہ کیا ہے اور نفع (ربح) کتنا ہے۔ اگر اس نے کہا کہ شئے کی اصل قیمت سو درہم ہے اور دس درہم (ہر دس پر ایک) نفع ہے لیکن بعد میں اس کے اقرار یا ثبوت کی بنا پر یہ معلوم ہوا کہ اصل قیمت نوے درہم تھی تو بیع تو صحیح ہوگی ...... اس لیے کہ بیع کی حد تک تو عقد صحیح ہے جس کا ثمن معلوم و متعین ہے، صرف اس کا کچھ حصہ تدلیس کی بنا پر ساقط ہوا ہے .... لیکن وہ قیمت جو وہ وصول کر رہا ہے اس کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ یہ ایک سو دس ہی ہوگی کیونکہ عقد میں یہی قیمت طے ہوئی ہے۔ بائع کی جانب سے تدلیس کے ظاہر ہونے پر اس قیمت میں سے کوئی حصہ ساقط نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص کسی متعین قیمت پر کوئی شئے فروخت کرے اور بعد میں اس میں عیب ظاہر ہوجائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قیمت ننانوے ہوگی اور یہی رائے صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک طرح سے انتقال ملکیت ہے جس میں پہلی قیمت ہی کا اعتبار ہوگا۔ جب بائع نے زیادہ قیمت بتلائی تو یہ زیادہ قیمت شفعہ اور تولیہ کی طرح ساقط کرنا لازم ہوگیا اور یہ صورت عیب والی صورت کے برخلاف

ہے، کیونکہ وہاں قیمت وہ ہے جو عقد میں طے ہوئی ہو اور یہاں قیمت اصل مالیت اور نفع کی مقدار ہے اور یہ معلوم ہوگیا کہ اصل مالیت نوے تھی اور نفع نو تھا اور اگر ہم یہ کہیں کہ قیمت ایک سو ہی ہے تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا کہ خریدی ہوئی شئے اس قیمت میں رکھ لے یا بیع کو فسخ کر دے کیونکہ اس نے یہ معاملہ اس لیے کیا تھا کہ وہ اصل مالیت میں اس شئے کو لے لے۔ اب جبکہ یہ اصل مالیت زیادہ ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگیا[۳۰]

فقہ حنبلی میں بیاعات الامانۃ کا بیان

فقہ حنبلی میں "بیاعات امانۃ" کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"تولیہ"، "شرکہ"، "مرابحہ" اور "مواضعہ" میں خیار ہے ....: اگر کسی شخص نے کوئی شئے بطور مرابحہ فروخت کی، مثلاً خریدار کو یہ بتلایا کہ اس شئے کی اصل قیمت سو درہم ہے اور دس درہم نفع ہے۔ بعد ازاں اقرار یا ثبوت کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ اس کی قیمت نوے ہے تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ قیمت میں زیادتی ہے اس لیے عیب کی طرح صحت سے مانع نہیں ہے اور خریدار کو بائع سے اصل قیمت سے زائد یعنی دس درہم اور اس کی نسبت سے نفع جو ایک درہم بنتا ہے واپس لینے کا حق حاصل ہوگا اس طرح خریدار پر ننانوے درہم لازم ہوں گے۔

یہ رائے ثوری اور ابن ابی لیلیٰ کی ہے اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے، جبکہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ عیب پر قیاس کرتے ہوئے خریدار کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ یا تو وہ پوری قیمت پر لے لے یا چھوڑ دے[۳۱]

ب... تناجش

تناجش کا لفظ نجش سے بنا ہے، اس کا اطلاق از روئے زبان اس کیفیت پر ہوتا ہے جب کوئی شکاری جانور کو گھیر کر ایسے مقام پر لے آتا ہے جہاں سے اس کا شکار کرنا آسان ہو جاتا ہے[۳۲] بعد میں یہ لفظ کسی چیز کی خریداری کے لیے جھوٹے مقابلے (FALSE COMPTETION) کا تاثر دینے کے لیے بھاؤ کی تیزی کی شدت کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

جبکہ فقہی اعتبار سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص جو کسی شئے کو فروخت کرنا چاہتا ہو، دوسرے سے یہ سمجھوتہ کرے کہ وہ بظاہر اس شئے کی خریداری میں دلچسپی ظاہر کرے

اور اگرچہ اس کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو۔ پھر بھی اس کی زائد قیمت ادا کرنے پر آمادگی ظاہر کرے گا، تاکہ اس طرح اس شئے کی قیمت
میں اضافہ ہوسکے اور جو شخص فی الواقع اس شئے کو خریدے تو نہ صرف یہ کہ اسے اس شئے کی خریداری کی رغبت پیدا ہوجائے بلکہ وہ اس کی قیمت دینے پر آمادہ بھی ہوجائے۔
حدیث میں ہے کہ

"نھی النبیؐ عن النجش"۔[۳۳]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا۔

کیونکہ نجش بھی "خلابہ" کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کرکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لا تناجشوا" (نجش نہ کرو)[۳۴] یہ کہا ہے کہ

"والنجش ان یاتی الرجل اللذی یبصر السلعۃ الی صاحب السلعۃ فیستام باکثر مما تسوی و ذالک عند ما یحضرہ المشتری یرید ان یغتر المشتری بہ ولیس من رایہ الشراء انما یرید ان یخدع المشتری بما لیستام وھذا ضرب من الخدیعۃ"۔[۳۵]

ترجمہ: نجش یہ کہ اصل خریدار کی موجودگی میں ایک شخص جو تجارت سے باخبر اور واقف ہو، خریدار کو دھوکہ دینے کے لیے کسی شئے کی اصل مالیت سے زائد قیمت لگائے درآنحالیکہ اس کا خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ وہ یہ چاہتا ہو کہ اس کے اس طرح قیمت لگانے سے اصل خریدار دھوکہ کھا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ دھوکہ دہی کی ایک صورت ہے۔

اسلامی شریعت کے فقہاء کی نظر میں تناجش رضامندی میں نقص پیدا کردیتی ہے۔ اس لیے اس نجش کی بناء پر خریدار کو عقد کے باطل کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ بشرطیکہ اس میں خریدار کا گھاٹا (غبن[۳۶]) فاحش کے درجہ میں ہو۔
یہ جمہور فقہاء اور مسلک ثلاثہ (مالکیؒ، شافعیؒ، اور حنبلی) کی رائے ہے جبکہ حنفی مسلک کی

روسے "تناجش" سے رضامندی میں نقص پیدا نہیں ہوتا اس لیے عقد کو باطل قرار دینا درست نہیں ہے۔ تاکہ معاملات کے بروئے کار رکھنے کے پہلو کو ترجیح دی جاسکے لیکن ازروئے دیانت یہ امر مکروہ ہے اور اس کی کراہت تحریمی ہے[۲۱]

مالکی مسلک کے فقہاء کے قیاس کی روسے تناجش خریدار کی جانب سے بھی ہوسکتا ہے کہ خریدار معاملہ میں مقابلہ کرنے والوں سے یہ سمجھوتہ کرے کہ وہ مقابلہ سے باز رہیں گے تاکہ اس کے لیے اس سامان کی ارزاں قیمت پر خریداری ممکن ہوسکے۔ مالکی فقہاء نے اس صورت میں بائع کو عقد کے باطل کرنے کا اختیار دیا ہے کیونکہ یہ خریدار کی جانب سے مناجشہ ہے جیسا کہ بائع کی جانب سے ہوتا ہے[۳۱]

نجش کی دو صورتیں علامہ کاسانی نے نجش کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔

الف: نجش کرنے والے شخص نے فروخت کی جانے والی شئے کے مالک سے اس امر پر اتفاق کیا ہو کہ وہ بھاؤ کرنے والے خریداروں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کے لیے اس کی اصل قیمت سے زائد کرکے بیان کرے تو یہ بیع مکروہ ہے۔

ب:۔ اگر نیلامی کی صورت ہو اور بولی میں ابھی تک چیز کی اصل قیمت نہ نکلی تو کسی شخص کے اصل قیمت تک بولی کو پہنچانے کے لیے زائد قیمت کرکے بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ

"ومنها النجش، وهو ان يمدح السلعة ويطلبها بثمن ثم لا يشتريها بنفسه ولكن ليسمع غيره فيزيد في ثمنها وانه مكروه، لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نهى عن النجش، ولانه احتيال للاضرار باخيه المسلم۔ وهذا اذا كان المشترى يطلب السلعة من صاحبها بمثل ثمنها فاما اذا كان يطلبها بأقل من ثمنها، فنجش رجل سلعة حتى تبلغ الى ثمنها، فهذا ليس بمكروه وان كان الناجش لا يريد

شراءها[۳۹]

ترجمہ: نجش یہ ہے کہ کوئی شخص فروخت کی جانے والی شئے کی تعریف کرے اور اس کو (زائد) قیمت میں طلب کرے، پھر اسے خود نہ خریدے۔ مقصود صرف دوسروں کو سُنانا ہو، جس سے اس شئے کی قیمت بڑھ جائے۔ یہ بات مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے نجش سے منع فرمایا اور اس لیے کہ یہ طریقہ اپنے مسلمان بھائی کو ضرر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب (حقیقی) خریدار چیز کو اس کے مثل قیمت میں خرید رہا ہو۔ لیکن اگر وہ (حقیقی) قیمت سے کم میں دینے کا مطالبہ کرے پھر کوئی شخص اس شئے کی قیمت کو حقیقی قیمت تک پہنچانے کے لیے نجش کرے تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ نجش کرنے والے شخص کا اس شئے کو خریدنے کا ارادہ نہ ہو۔

مختلف مسالک فقہ میں نجش کا حکم جُدا ہے۔ اہل ظاہر کے نزدیک جس معاملہ بیع میں "نجش" ہو وہ بیع ہی فاسد ہے۔ امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ نجش کا ہونا عیب کی مانند ہے کہ خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے اس شئے کو رکھے اور چاہے واپس کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ بیع درست ہوگی مگر نجش کرنیوالا عند اللہ گنہگار ہوگا۔[۴۰]

ج... تغریر

یہ لفظ غرر سے بنا ہے اس کے معنی دھوکہ دینے، اور خطرے (RISK) میں ڈال دینے کے ہیں۔ "غرہ" کے معنی غفلت کے ہیں۔ کسی شخص کو ایسے موقعہ پر جالینا اور اپنا مقصد حاصل کر لینا جب وہ غافل ہو "غرر" کہلاتا ہے۔[۴۱]

جبکہ فقہی اعتبار سے غرر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جھوٹے قولی یا فعلی ذریعہ سے عاقدین میں سے کسی کو عقد پر آمادہ کرنا اور اس کو ترغیب دینا۔[۴۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام معاملات (خرید و فروخت) سے منع فرمایا ہے جن میں صریحاً دھوکہ ہو یا دھوکہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

"ان النبیؐ نھی عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر"[۴۳]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا۔

علامہ نوویؒ کا بیان

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

النھی عن بیع الغرر فھو اصل عظیم من اصول کتاب البیوع ولھذا قدمہ مسلم ویدخل فیہ مسائل کثیرۃ غیر منحصرۃ کبیع الآبق والمعدوم والمجھول ومالا یقدر علی تسلیمہ ومالم یتم ملک البائع علیہ وبیع السمک فی الماء الکثیر واللبن فی الضرع وبیع الحمل فی البطن وبیع بعض الصبرۃ مبھما وبیع ثوب من اثواب وشاۃ من شیاہ ونظائر ذلک وکل ھذا بیعہ باطل لأنہ غرر من غیر حاجۃ وقد یحتمل بعض الغرر بیعا اذا دعت الیہ حاجۃ کالجھل بأساس الدار وکما اذا باع الشاۃ الحامل والتی فی ضرعھا لبن فانہ یصح للبیع لأن الاساس تابع للظاھر من الدار ولان الحاجۃ تدعو الیہ فانہ لایمکن رؤیتہ وکذا القول فی حمل الشاۃ ولبنھا وکذلک أجمع المسلمون علی جواز اشیاء فیھا غرر حقیر منھا انھم اجمعوا علی صحۃ بیع الجبۃ المحشوۃ وان لم یر حشوھا ولو بیع حشوھا بانفرادہ لم یجز واجمعوا علی جواز اجارۃ الدار والدابۃ والثوب ونحو ذلک شھرا مع ان الشھر قد یکون ثلاثین یوما وقد یکون تسعۃ وعشرین واجمعوا علی جواز دخول الحمام بالأجرۃ مع اختلاف الناس فی استعمالھم الماء وفی قدر مکثھم وأجمعوا علی جواز الشرب من السقا بالعوض مع جھالۃ قدر المشروب واختلاف عادۃ الشاربین وعکس ھذا وأجمعوا علی بطلان بیع

الأجنة فى البطون والطير فى الهواء قال العلماء مدار البطلان بسبب الغرر والصحة مع وجوده على ما ذكرناه وهو انه ان دعت حاجة الى ارتكاب الغرر ولا يمكن الاحتراز عنه الا بمشقة وكان الغرر حقيرا جاز البيع والا فلا وما وقع فى بعض مسائل الباب من اختلاف العلماء فى صحة البيع فيها وفساده كبيع العين الغائبة مبنى على هذه القاعدة فبعضهم يرى ان الغرر حقير فيجعله كالمعدوم فيصح البيع وبعضهم يراه ليس بحقير فيبطل البيع والله اعلم ـ ان بيع الملامسة وبيع المنابذة وبيع حبل الحبلة وبيع الحصاة وعسب الفحل واشباهها من البيوع التى جاء فيها نصوص خاصة هى داخلة فى النهى عن بيع الغرر ولكن افردت بالذكر ونهى عنها لكونها من بياعات الجاهلية المشهورة والله اعلم۔[۱۲]

ترجمہ: بیع غرر (فریب پر مشتمل معاملہ) کی ممانعت خرید و فروخت کے اصول میں سے ایک اہم ترین اصول ہے، اسی لیے امام مسلم نے اس حدیث کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے ۔ اس اصول کے تحت بیشمار اور کثیر مسائل آتے ہیں، مثلاً بیع آبق (مفرور غلام کی فروخت) بیع معدوم (غیر موجود شئے کی فروخت) بیع مجہول (نا معلوم شئے کی فروخت) اور ایسی شئے کی فروخت جسے فروخت کنندہ خریدار کی تحویل میں نہ دے سکے اور ایسی شئے کی فروخت جو پوری طرح فروخت کنندہ کی ملکیت نہ ہو، اسی طرح پانی میں موجود مچھلی کی فروخت، تھن میں موجود دودھ کی فروخت، جانور کے پیٹ میں موجود بچے کی فروخت، غلہ کے ڈھیر کے کچھ حصہ کی فروخت، متعدد کپڑوں میں سے کسی کپڑے کی اور متعدد بکریوں میں سے کسی بکری کی فروخت اور اسی طرح کی دیگر صورتیں کہ ان سب میں بیع باطل ہے کیونکہ یہ بلا ضرورت غرر (دھوکہ) ہے ۔ بوقت ضرورت بیع

(معاملہ خرید و فروخت) میں غرر قابل برداشت ہوتا ہے۔ مثلاً گھر کی خریداری میں گھر کی بنیاد سے ناواقف ہونا۔ اسی طرح حاملہ بکری کا فروخت کرنا اور اس بکری کا فروخت کرنا جس کے تھنوں میں دودھ ہو، صحیح ہے۔ کیونکہ گھر کے معاملہ میں بنیاد گھر کی ظاہری حالت کے تابع ہوتی ہے اور اس امر کی ضرورت بھی موجود ہے (کہ اس غرر کو برداشت کر لیا جائے) کیونکہ مکان کی بنیاد دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ یہی رائے حاملہ بکری اور دودھ والی بکری کی فروخت میں ہے۔ اسی لیے فقہائے امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ ان اشیاء کی فروخت جائز ہے جن میں معمولی غرر ہو، مثلاً ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس جبہ کی فروخت جائز ہے جس میں روئی بھری ہوئی ہو، اگرچہ وہ بھرائی نظر نہ آئے۔ لیکن اگر وہ بھرائی منفرداً فروخت کی جائے تو جائز نہیں ہے۔ گھر، جانور اور کپڑے وغیرہ کا ایک ماہ کے لیے کرائے (اجارہ) پر دینا بالاتفاق جائز ہے باوجودیکہ مہینہ تیس کا بھی ہوتا ہے اور انتیس کا بھی۔ اسی طرح کرائے پر حمام میں جانا بھی بالاتفاق جائز ہے باوجودیکہ لوگوں کے استعمال میں اور ان کے وہاں ٹھہرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح سقاء (پانی پینے کی جگہ) سے بالعوض پانی پینا جائز ہے باوجودیکہ پیئے جانے والے پانی میں اور پینے والوں کی عادت میں فرق ہوتا ہے۔ فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جانور کے پیٹ میں موجود جنین اور ہوا میں موجود پرندے کی بیع جائز نہیں ہے اور ان بیوع کے باطل ہونے کا مدار غرر ہے اور غرر کی موجودگی میں بیع کا صحیح ہونا اسی اصول کے تحت ہے جو ہم نے بیان کیا اور وہ یہ کہ اگر غرر کو برداشت کرنے کی ضرورت داعی ہو اور بلا مشقت اس سے احتراز ممکن نہ ہو اور غرر حقیر ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ جہاں تک بعض معاملات میں فقہاء کے اختلاف کا تعلق ہے کہ ان میں بیع صحیح ہے یا فاسد، جیسے عین شئے کی غیر موجودگی تو یہ اختلاف رائے بھی اسی قاعدہ پر استوار ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اس میں غرر اس قدر حقیر ہے جو نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ اس لیے بیع صحیح ہے اور بعض دیگر کے نزدیک غرر حقیر نہیں ہے اس لیے بیع صحیح نہیں ہے۔ یہ بات بھی

سمجھ لیجیے کہ بیع ملامسہ بیع منابذہ، بیع حبل الحبلہ، بیع الحصاۃ اور عسب الفحل وغیرہ، بیوع کی ایسی صورتیں ہیں جن کے بارے میں خاص نصوص بھی وارد ہیں مگر یہ سب بیع غرر کی ممانعت کے ذیل میں آتی ہیں مگر چونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی بیع کی مشہور صورتیں تھیں، اس لیے جدا جدا بھی ان کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

علامہ قرافیؒ کی وضاحت

علامہ قرافیؒ اپنی کتاب "الفروق" میں "قاعدۃ المجہول" اور "قاعدۃ الغرر" میں فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اعلم ان العلماء قد يتوسعون فى هاتين العبارتين، فيستعملون احداهما موضع الاخرى، واصل الغرر هو الذى لا يرى هل يحصل أم لا، كالطير فى الهواء والسمك فى الماء، وأما ما علم حصوله وجعلت صفته فهو المجهول، كبيعه ما فى كمه فهو يحصل قطعا لكن لا يدرى اى شئ هو، فالغرر والمجهول كل واحد منهما اعم من الآخر من وجه وأخص من وجه، فيوجد كل واحد منهما مع الآخر وبدونه . اما وجود الغرر بدون الجهالة فكشرأ العبد الآبق المعلوم قبل الاباق لا جهالة فيه، وهو غرر لانه لا يدرى اهل يحصل أم لا . والجهالة بدون الغرر كشراء حجر يراه لا يدرى ازجاج هو أم ياقوت، مشاهدته تقتضى القطع بحصوله فلا غرر، وعدم معرفته تقتضى الجهالة. وأما اجتماع الغرر والجهالة فكالعبد الآبق المجهول الصفة قبل الاباق . ثم الغرر والجهالة يقعان فى سبعة اشياء فى الوجود كالآبق بعد الاباق، والحصول ان علم الوجود كالطير فى الهواء، وفى الجنس كسلعة لم يسمها، وفى النوع كعبد لم يسمه، وفى المقدار كالبيع الى مبلغ رمى الحصاة، وفى التعيين كثوب من ثوبين مختلفين، وفى البقاء كالثمار قبل بدو صلاحها

فهذه سبعة موارد للغرر والجهالة، ثم الغرر والجهالة ثلاثة اقسام : كثير ممتنع اجماعًا كالطير فى الهواء، وقليل جائز اجماعًا كأساس الدار وقطن الجبة، ومتوسط اختلف فيه هل يلحق بالأول او الثانى۔ فلا رتفاعه عن القليل الحق بالكثير ولا نحطاطه عن الكثير الحق بالقليل، وهذا هو سبب اختلاف العلماء فى فروع الغرر والجهالة[۴۵]

ترجمہ: جان لیجئے کہ علماء ان دو مصطلحات (جہالت اور غرر) کے استعمال میں توسع سے کام لیتے ہیں اور ایک کو دوسری کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں۔ "غرر" کی اصل یہ ہے کہ پہلے سے یہ علم نہ ہو سکے کہ یہ شے حاصل ہوگی یا نہیں مثلاً فضاء میں موجود پرندے یا سمندر میں موجود مچھلی (کی فروخت) لیکن اگر یہ علم ہو کہ یہ شئے حاصل ہو جائے گی مگر اس کا وصف معلوم نہ ہو، مثلاً جیب میں رکھی ہوئی شئے ہے۔ گویا غرر والی شئے اور مجہول شئے میں سے ہر ایک، ایک اعتبار سے دوسری سے عام ہے اور دوسرے اعتبار سے پہلی سے خاص ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسری کے ساتھ مل کر بھی پائی جا سکتی ہے اور اس کے بغیر بھی۔ غرر موجود ہونے اور جہالت نہ ہونے کی مثال اس مفرور غلام (ABSCONDER SLAVE) کا خریدنا ہے۔ جس کے بارے میں فرار سے قبل ہی علم ہو اور کوئی جہالت موجود نہ ہو۔ اس میں غرر اس اعتبار سے ہے کہ یہ علم نہیں ہے کہ (بعد خریداری) حاصل ہو سکے گا یا نہیں اور جہالت موجود ہو اور غرر نہ ہو۔ اس کی مثال کسی شخص کا کوئی پتھر (STONE) خریدنا ہے درانحالیکہ اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ "زجاج" ہے، یا "یاقوت" لیکن چونکہ سامنے موجود ہے اس لیے (بعد خریداری) حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے "غرر" نہیں ہے مگر عدم معرفت کی بنا پر جہالت موجود ہے۔ "غرر" اور "جہالت" دونوں کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسا مفرور غلام ہو، جس کے وصف کا فرار سے پہلے بھی کوئی علم نہ ہو۔

"غرر" اور "جہالت" سات امور میں پائے جاتے ہیں۔ وجود میں مثلاً مفرور غلام میں بعد فراہم وجود کے ساتھ علم حصول میں مثلاً فضا میں موجود پرندہ، جنس میں مثلاً ایسی شئے جس کا نام نہ لیا گیا ہو، مقدار میں مثلاً اس شئے کی فروخت جس تک کنکر پہنچ جائے، تعیین میں مثلاً مختلف کپڑوں میں سے کوئی ایک کپڑا، بقا میں مثلاً پھل تیار ہونے سے پہلے۔

غرر اور جہالت کے (ایک ساتھ پائے جانے کے) یہ سات مواقع ہیں ازاں بعد غرر اور جہالت کی تین قسمیں ہیں۔

کثیر مقدار میں غرر و جہالت جو بالاجماع ممنوع ہے جیسے فضا میں موجود پرندہ۔

قلیل مقدار میں غرر و جہالت جو بالاجماع جائز ہے، جیسے گھر کی بنیاد اور "جبہ" کے اندر موجود روئی۔

اور متوسط مقدار میں غرر و جہالت کے ساتھ جس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ کثیر کے ساتھ ملحق کیا جائے، یا قلیل مقدار کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ یعنی چونکہ اس میں غرر قلیل سے زیادہ ہے اسلیے اسے کثیر کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں غرر کثیر سے کم ہے، اس لیے اسے قلیل کے حکم کے ساتھ مربوط کر دیا جاتا ہے اور یہی امر غرر اور جہالت کے فروعی مسائل میں فقہاء کے درمیان نقطہ نظر کے فرق کا باعث بنتا ہے۔

غرر کی اقسام

ابن جزی نے غرر کی اقسام کو انتہائی وضاحت، عمدگی اور تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"غرر" اسلامی شریعت میں ممنوع ہے، الا یہ کہ اس قدر معمولی ہو کہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہو، بہر حال جو "غرر" شریعت میں ممنوع ہے اس کی دس قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

فروخت کی جانے والی شئے ایسی ہو، جسے (خریدار کو) سپرد کرنا متعذر اور دشوار ہو، جیسے بھٹکا ہوا اونٹ اور جانور کے پیٹ کے بچہ کو اس کی ماں کے بغیر یا ماں کو اس کے پیٹ میں موجود بچہ کے بغیر فروخت کرنا اور جیسے ایسی شئے کو فروخت کرنا جو ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ جیسے حاملہ جانور کا حمل فروخت کرنا اور جیسے نر جانور کے ملاپ سے پیدا ہونے والے بچہ کو

فروخت کرنا ۔

دوسری قسم

ایسی شئے کو فروخت کرنا جس کی قیمت نامعلوم ہو اور وہ شئے بھی نامعلوم ہو، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ "میری جیب میں جو کچھ ہے وہ میں تمھیں فروخت کرتا ہوں"۔

تیسری قسم

قیمت یا شئے میں سے کسی ایک کا نامعلوم (مجہول) ہونا۔ مثلاً فروخت کرنے والا کہے کہ میں تمہیں اپنے گھر پر موجود کپڑا فروخت کرتا ہوں، یا کسی شئے کا بغیر اس کو الٹے پلٹے اور بغیر وصف کے فروخت کرنا۔

مِلک کے اعتبار سے وصف بیان کر کے کسی شئے کی فروخت (بیع) کی پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ وہ شئے بہت دور نہ ہو، مثلاً اندلس یا افریقہ۔

۲۔ وہ بہت قریب نہ ہو، مثلاً شہر ہی میں موجود ہو۔

۳۔ بائع (SELLER) کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا وصف بیان کرے۔

۴۔ اس میں جملہ مقصود اوصاف کا بیان کیا گیا ہو۔

۵۔ نقد قیمت ادا نہ کرے، بشرطیکہ وہ محفوظ شئے مثلاً زمین کی نہ ہو، البتہ بغیر شرط نقد جائز ہے۔

اس کے بعد اگر مبیع (فروخت شدہ شئے) اس صفت اور رویت کے مطابق ہو تو بیع لازم ہو جائے گی، اور اگر اس کے برخلاف ہو تو خریدار کو اختیار ہوگا۔ چنانچہ کاغذات میں لکھی ہوئی تفصیلات کے مطابق گٹھڑیوں میں بند کپڑے کی فروخت جائز ہے، برخلاف اس صورت کے کہ کپڑا لپٹا ہوا ہو اور اسے الٹ پلٹ کر نہ دیکھا جائے۔

چوتھی قسم

دونوں (شئے یا قیمت) میں سے کسی کی مقدار نامعلوم ہو جیسے کوئی یہ کہے کہ "میں نے تمھیں آج کی قیمت پر فروخت کیا،" یا " اس قیمت پر فروخت کیا جس پر لوگ کر رہے ہیں" یا" جو قیمت فلاں شخص کہے ماسوا "بیع جزاف" کے جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ گندم بالی ہی

میں موجود ہو تو اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں جہالت ہے البتہ بالوں کو ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اسی طرح غلہ بھوسے میں موجود ہو تو اس کی فروخت جائز نہیں ہے، البتہ بھوسے کے ساتھ فروخت جائز ہے۔ برتن سازوں کی مٹی کی فروخت جائز نہیں ہے اور ہری سبزی، پستہ اور کیلے کی اپنے اوپر کے غلاف یا خول میں لپٹے ہوئے ہونے کی صورت میں فروخت جائز ہے۔ جبکہ امام شافعی کی رائے مختلف ہے۔

پانچویں قسم

اصل (مدت) کا نامعلوم ہونا، مثلاً کوئی شخص کہے کہ زید کی آمد تک یا عمرو کی موت تک۔ لیکن اگر اس طرح کہا کہ فصل کی کٹائی تک، یا گندم کے علیحدہ کرنے کے عمل تک، یا فلاں ماہ تک، تو درست ہے۔ مہینہ کے لفظ کا استعمال کی صورت میں اس لفظ کو مہینہ کے وسط پر محمول کیا جائے گا۔

چھٹی قسم

ایک معاملہ میں خرید و فروخت کے دو معاملے (بیعتان فی بیعۃ) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی شئے جس کی قیمت لگائی گئی ہے کہ دو مختلف قیمتوں میں سے کسی ایک قیمت میں فروخت کرے یا دو اشیاء جن کی قیمت لگائی گئی ہے، میں سے ایک کو فروخت کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ "میں نے تمہیں یہ کپڑا دس نقد یا بیس ادھار پر فروخت کیا، اس شرط پر کہ ان میں سے ایک قیمت پر بیع لازم ہو گئی، یا یہ کہے کہ" میں نے تمہیں یہ کپڑا دس نقد یا بیس ادھار پر فروخت کیا"۔ اس شرط پر کہ ان میں سے ایک قیمت پر بیع لازم ہو گی یا یہ کہے کہ "ان دونوں میں سے ایک کپڑا میں نے تمہیں اتنے کا فروخت کیا"، اس شرط پر کہ دونوں میں سے ایک میں بیع لازم ہو گی۔

ساتویں قسم

ایسی شئے کی فروخت کرنا جس کے سلامت رہنے کی توقع نہ ہو، جیسے اس بیمار گھوڑے کی فروخت جو دوڑ میں شریک ہو۔

آٹھویں قسم

بیع منابذہ ، ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی جانب اچھال دے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی جانب اچھال دے تو بیع لازم ہوجائے گی ۔

نویں قسم

بیع حصاۃ ، کوئی شخص کسی شئے پر کنکری ڈال دے اور اس سے بیع لازم ہوجائے ۔

دسویں قسم

بیع ملامسہ ، کوئی شخص کپڑا چھو کر دیکھے تو محض چھونے سے بیع لازم ہوجائے ، اگرچہ اسے اس کی پوری حقیقت نہ معلوم ہو۔[46]

ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا اس موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تغریر کی دو قسمیں ہیں

تغریر قیمت ، جسے فقہاء تغریر قولی کا نام دیتے ہیں ۔

تغریر وصف ، جو فقہاء کے یہاں تغریر فعلی کہلاتا ہے ۔

ہمارے فقہاء نے تغریر کو قولی اور فعلی دو قسموں میں بیان کیا ہے اور اس تقسیم میں ان کے پیش نظر اس تغریر کا وہ ذریعہ ہے جو اس میں استعمال کیا گیا ہے ۔ تغریر قولی سے انکی مراد وہ ہے جس کو ہم نے تغریر قیمت کا نام دیا ہے ۔ کیونکہ اشیاء کی قیمتیں ان کا بظاہر نظر آنے والا وصف نہیں ہوتا بلکہ نرخ کے معاملہ میں فریب کا طبعی ذریعہ جھوٹی بات اور جھوٹا بیان ہے جبکہ فقہاء تغریر فعلی سے وہ تغریر مراد لیتے ہیں جسے ہم نے تغریر وصف کہا ہے کیونکہ کسی شخص کو کسی شئے کے جھوٹے وصف کے بارے میں کسی فعل کے ذریعے سے وہم میں ڈال جاسکتا ہے کہ اس شئے میں مصنوعی وصف موجود ہے ۔

اس لیے ہم نے نام اور تقسیم میں تغریر کے مقصود پر نظر رکھی ہے اور اس کے وسیلے پر نظر نہیں رکھی اور ہم نے تغریر قیمت اور تغریر وصف کی اصطلاحات استعمال کی ہیں کیونکہ یہ زیادہ واضح بھی ہیں اور ان کے نام اور ان کی حقیقت میں ربط و تعلق بھی ہے۔[47]

الف ... تغریر قیمت

قیمت کے بارے میں قولی تغریر یہ ہے کہ بائع یا مؤجر خریدار یا متاجر سے کہے کہ اس

شئے کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے اور تمہیں یہ چیز اس قیمت میں کہیں نہیں ملے گی یا مجھے فلاں شخص اس کی یہ قیمت دے رہا ہے لیکن میں نے قبول نہیں کی ۔ الغرض اسی طرح کی باتیں جن سے خریدار کو اس شئے کی خریداری کی طرف مائل کیا جا سکے ۔

اگر قیمت کے بارے میں قولی تغریر، غبن فاحش کے ساتھ مل جائے تو فقہاء نے مغبون کو پہنچنے والے ضرر کو رفع کرنے کے لیے ایسے عقد کے باطل کرنے کا حق دیا ہے ۔ کیونکہ اس تغریر کی بنا پر اس کی جو رضامندی وجود میں آئی ہے وہ مکمل اور بے نقص نہیں ہے[۴۸]۔

ب... تغریر وصف

وصف کے بارے میں فعلی تغریر اسی طرح ہوتی ہے کہ محل عقد (جو شئے فروخت کی جا رہی ہے) کے وصف کے بارے میں اس طرح فریب دیا جائے کہ متعاقد کو یہ وہم ہو جائے کہ جس شئے کا عقد کیا جا رہا ہے اس میں کوئی امتیازی خصوصیت ہے ۔ حالانکہ اس کا وصف فی الواقع نہیں ہے ۔ بلکہ محض دکھانے کے لیے ہے جیسے فروخت کی جانے والی شئے کو اس طرح پیش کرنا کہ اس کی اچھی قسم اوپر کر کے اس طرح رکھی جائے کہ دیکھنے والے کو وہ نظر آئے اور اس کا نکما اور کمتر حصہ نیچے کر دیا جائے اور چھپا دیا جائے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ٹیوب ویل کا پانی فروخت کر رہا ہو اور اس پانی کو وہ جمع کر کے ایک ساتھ چھوڑ دے کہ خریدار کو یہ خیال پیدا ہو کہ پانی بکثرت ہے اور تیزی سے آتا ہے، یا جس طرح آج کل مستعمل گاڑی کو فروخت کرنے والا اس کے رفتار پیما (SPEEDOMETRE) کے ہندسوں کو پیچھے کر دیتا ہے تاکہ خریدار کو یہ خیال پیدا ہو کہ گاڑی کم استعمال ہوئی ہے ۔

تغریر کی زیادہ مشہور مثال دودھ دینے والے جانوروں کے 'تصریہ' کے بارے میں دی جاتی ہے کہ فروخت کرنے سے قبل ان جانوروں کا دودھ روک لیا جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ گائے، بکری یا اونٹنی جس کا دودھ فی الواقع کم ہو چند روز تک مالک اس کا اس طرح دودھ نکالتا ہے کہ وہ جانور کو خریدار کے سامنے پیش کرے، اور اس طرح اسے یہ فریب دے کہ جانور کا دودھ زیادہ ہے ۔ خریدار بھی جب اس طرح کے جانور کا پہلی مرتبہ دودھ دوھے گا تو وہ جانور دودھ زیادہ دے گا اور بعد میں اس کا دودھ کم ہو جائے گا ۔ فقہاء کے یہاں یہ مسئلہ

"الشاۃ المصراۃ" کے نام سے معروف ہے[49]

تصریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ، گائے اور بکری کے "تصریہ" سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"من اشتری غنما مصراۃ فاحتلبها فان رضیها امسکها
وان سخطها ففی حلبتها صاع من تمر"[50]

ترجمہ: جس نے مصراۃ بکری خریدی اور اس کا دودھ دوہ لیا پھر اگر وہ راضی ہو تو اسے رکھے اور اگر راضی نہ ہو تو دودھ دوہنے کے بدلے کھجور کا ایک صاع دے دے۔

مصراۃ "م" کے پیش اور "ر" کے زبر کی تشدید کے ساتھ "تصریہ" کا اسم مفعول ہے جو اصل لغت کے لحاظ سے پانی کی گزرگاہ میں پانی کو روک دینے کے معنی میں آتا ہے۔ بعد ازاں یہ دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں دودھ روک دینے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔

غرض "الشاۃ المصراۃ" کے معنی ہیں، وہ بکری جس کا دودھ کچھ دن تک روک لیا گیا ہو تاکہ وہ زیادہ دودھ دینے والی نظر آئے، اس مفہوم کے لیے احادیث میں "مُحَفَّلَہ" کا بھی لفظ آیا ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"من اشتری شاۃ محفلۃ فردھا فلیرد معھا صاعًا"[51]

ترجمہ: جس شخص نے بھرے ہوئے تھنوں والی بکری لے لی، پھر اس کو واپس کیا تو اس کے ساتھ ایک صاع دے دے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

"والعمل علی ھذا عند اھل العلم کرھوا بیع المحفلۃ وھی المصراۃ
یحلبھا صاحبھا ایاما او نحو ذالك لیجتمع اللبن فی ضرعھا فیغتر
بھا المشتری وھذا ضرب من الخدیعۃ والغرر"[52]

ترجمہ: اس پر اہل علم کا عمل ہے چنانچہ سب نے محفلۃ، یعنی اس مصراۃ کی بیع کو مکروہ قرار دیا ہے جس کا مالک کئی دنوں اس جانور کا دودھ روکے رکھے تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے اور اس سے خریدار کو دھوکہ ہو جائے (کہ زیادہ دودھ دینے

والا جانور ہے) اور یہ دھوکہ اور غرر کی ایک صورت ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ تصریہ "تغریر وصف" کی ایک صورت ہے اور اس صورت میں مغرور (دھوکہ کھانے والے) شخص کو عقد کے باطل کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ اگرچہ اس میں غبن نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا مقصود بھی اس وصف کا حامل جانور خریدنا ہو جس وصف کے جانور کا عقد کیا گیا ہے۔ یعنی چونکہ معاملہ کے وقت یہ وصف مدنظر رہا ہے، اس لیے اس وصف کا نہ پایا جانا عاقد مغرور کے حق میں اختیار ثابت کر دے گا۔ جیسا کہ اس وصف کے نہ ہونے کی صورت میں اختیار مل جاتا ہے جس کی معاملے میں شرط لگائی گئی ہو[۵۳]

اگر کسی شخص نے ایسا جانور خرید لیا جس کا دودھ کئی دنوں تک اس کے مالک نے تھنوں میں روکے رکھا ہو، خریدار اس جانور کو خرید کر لاتا ہے اور ایک دو مرتبہ اس کا دودھ دوھتا ہے تو پہلی مرتبہ دودھ زیادہ ہوتا ہے اور پھر دودھ کی وہ مقدار باقی نہیں رہتی جس پر یہ خریدار اس جانور کو واپس کرنا چاہتا ہے تو اسے مذکورہ حدیث کی روشنی میں واپس کرنے کا تو اختیار ہے لیکن دودھ کے بدلے میں جو اس نے دوہا ہے کیا کھجوریں دے گا، یا اس دودھ کی قیمت ادا کرے گا۔ اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے جو مختصراً یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک۔ ایسے جانور کی واپسی کے ساتھ مطلقاً بغیر اس دودھ کی مقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اس جانور سے دوہا گیا ہے ایک صاع کھجور واپس کی جائے گی۔ یعنی ظاہر حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ کھجوریں نہیں دی جائیں گی بلکہ خریدار قیمت کا نقصان وصول کرے گا جو اس جانور کی خریداری میں ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ خریدار اس جانور کو اس دودھ کی قیمت کے ساتھ جو اس نے دوہا ہے، واپس کرے گا، اور کھجوریں نہیں دے گا کیونکہ ایک صاع کھجور کی قیمت اس کی اصل قیمت سے کم و بیش ہو سکتی ہے[۵۴]

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے حدیث میں ایک صاع کھجور واپس کرنے کے حکم کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ مذکورہ واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے دودھ کی قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے برابر کھجوریں دینے کا حکم فرمایا تھا اور یہ حکم آپ نے اس لیے

دیا تھا کہ اس زمانے میں کھجور ایسا مال تھا جو بآسانی اور بسہولت میسّر تھا۔ ظاہر ہے کہ تساری میں قیمت ہی لازم آتی ہے۔

اس مسئلے میں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا امام ابو یوسفؒ کی رائے زیادہ عادلانہ اور فقہی لحاظ سے زیادہ موزوں ہے اور اس رائے پر اعتماد کیا جانا چاہیے بلکہ ان کی یہ رائے ان کے استاد امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے بہتر ہے کہ عقد کو فسخ نہ کیا جائے بلکہ اگر اس "مصراۃ" جانور کی قیمت میں کوئی کمی ہے تو خریدار وہ قیمت سے لے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خریدار کا مقصود بھی اس وصف کا نہ ہونا ہو جس کا اس شئے میں موجود ہونے کا تاثر دیا گیا ہے۔

"المجلہ" نے اس مسئلہ کو قابل اختیار نہیں سمجھا ہے۔ حالانکہ "المجلہ" کو یہ مسئلہ بیان کرنا چاہیے تھا اور اس میں امام ابو یوسفؒ کی رائے اختیار کرنی چاہیے تھی۔

بعض دیگر مسالک کے فقہاء نے اس معاملہ میں غلو سے کام لیا ہے جن میں سے ایک علامہ ابن قیمؒ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں امام ابو حنیفہؒ کے "الشاۃ المصراۃ" واپس نہ کئے جانے کے قول پر تنقید کی ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو اس صورت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ بکری "تصریہ" کے بغیر بھی کافی دودھ دینے والی ہو اور تصریہ صرف دودھ کی زیادتی کا وہم پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔ یعنی جمع شدہ دودھ نکالنے کے بعد وہ اتنا دودھ دے جس کی بنا پر اس کو دودھ دینے والے جانور کہا جا سکے۔

اور اگر جمع شدہ دودھ نکالنے کے بعد اتنا دودھ نہ ہو کہ اس جانور کو دودھ دینے والا جانور کہا جا سکے تو اس میں شبہ نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ عقد کو فسخ کرنا اور اس جانور کو رد کر دینا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خریدار پر اس عقد کو لازم قرار دے دینا (اگرچہ اسے قیمت کے نقصان کے رجوع کا حق حاصل ہو) امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے ان قواعد کے برخلاف ہے جو انھوں نے کسی وصف کی عدم موجودگی کی صورت میں اختیار (خیار) دیے جانے کے بارے میں بیان فرمائے ہیں۔ اس لیے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس وصف کے پائے جانے کی صریحاً یا ضمناً شرط لگائی گئی ہو اور وہ وصف موجود نہ ہو تو اختیار ثابت ہو جاتا ہے

ظاہر ہے کہ تصریہ کے عمل سے جو وصف ظاہر اور نمایاں ہوا وہ اس درجہ میں ہے جیسے جانور کا دودھ دینے والا ہونے کی شرط لگائی گئی ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ

"المعروف عرفا کالمشروط شرطا"

ترجمہ: عرف کے ذریعے متعارف امر کی وہی حیثیت ہے جو کسی ایسے امر کی ہوتی ہے جس کی شرط لگائی گئی ہو۔

اصول یہ ہے کہ جب کسی مجتہد کی کسی مجمل اور مطلق رائے کی توضیح اور تفصیل بیان کی جائے تو یہ وضاحت اس کے مسلک کے قاعدوں کی روشنی میں ہونی چاہیئے[۵۵]

د۔۔ تدلیس عیب

متعاقدین میں سے اگر کوئی فریق عوض والے معاملات (عقود معاوضہ (COMMUTATIVE CONTRACTS) میں مثلاً بیع اور اجارہ میں جس شئے پر عقد ہو رہا ہو اس کے کسی ایسے مخفی عیب کو چھپائے جس کا اسے علم ہو، "تدلیس عیب" کہلاتا ہے۔

فقہاء کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ تدلیس عیب اس متعاقد کے حق میں جس پر تدلیس کی گئی ہے عقد کے ابطال کا حق فراہم کرتا ہے اور اس کو "خیار عیب" کہا جاتا ہے۔ یعنی خریدار اس مبیع (THING SOLD) یا ماجور (A THING GIVEN FOR RENT-) کو جس میں عیب ہے، بائع یا موجر کو واپس کر دے گا اور عقد فسخ ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر بائع "بیع" کے وقت اس عیب سے واقف ہو تو خریدار کے درجے میں اس کے لیے "خیار عیب" ثابت ہوگا۔ بلکہ از روئے شریعت خریدار کے لیے جب اس پر خریدی ہوئی شئے کا کوئی مخفی عیب ظاہر ہو تو اس کے لیے خیار ثابت ہو جائے گا۔ اگرچہ "بائع" "بیع" کے وقت اس کا علم نہ رکھتا ہو کیونکہ ہر عقد میں عقد کرنیوالے کی رضامندی اس امر پر مبنی ہوتی ہے کہ محل عقد (SUBJECT OF CONTRACT) عیوب سے پاک ہو اور دوسرے متعاقد پر اس قدیم عیب کا جو اس کے محل میں ظاہر ہو، ذمہ دار اور ضامن قرار پائے جب تک وہ اس عقد میں بائع کے ضمان سے بری ہونے کی شرط نہ لگا دے[۵۶]

لیکن اگر بائع اور جو شخص اس کے حکم میں ہو، عیب کو جانتے ہوئے چھپائے تو مدلس (SWINDLER) ہوگا اور خلابہ کے حکم کے تحت آئے گا لیکن اگر بائع اس عیب سے واقف ہو تو وہ عقد کے مقتضا کے تحت ضامن ہوگا لیکن مدلس نہیں ہوگا۔

ضمان عیب کے تعلق سے ' تدلیس عیب ' کے ہونے یا نہ ہونے کا فرق نمایاں نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ضمان کی ادائیگی دونوں صورتوں کا مشترک حکم ہے۔ یہ فرق بعض ان احکام میں واضح ہوتا ہے جن میں جزا کا پہلو موجود ہو، مثلاً بائع، عقد بیع (CONTRACT OF SALE) میں یہ شرط عائد کرے کہ اگر کوئی عیب پایا گیا تو وہ اس کے ضمان سے بری ہوگا ۔ (یعنی مبیع (THING SOLD) میں اگر کوئی ممکنہ عیب ظاہر ہو تو وہ اس پر مسئول قرار نہیں دیا جائے گا اس شرط کے ساتھ اگر خریدار اس شئے کی ظاہری سلامتی پر اعتماد کرتے ہوئے رضامند ہو جاتا ہے، اور بعد میں مبیع میں کوئی قدیم عیب ظاہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں . . .

الف اگر اس صورت میں بائع اپنی فروخت کردہ شئے کے عیب سے ناواقف ہو اور اس نے یہ شرط بربنائے احتیاط لگائی ہو تو اس کی یہ شرط صحیح ہوگی اور تمام فقہی مسالک کے نزدیک اس صورت کی بنا پر اس سے عیب کا ضمان ساقط ہو جائے گا۔ یعنی خریدار اپنی ذمہ داری پر خریدنے والا متصور ہوگا اور اس کی ایسی حیثیت ہوگی جیسے اسے خریدتے وقت اس شئے کے عیب کا علم ہو اور اس نے اس کو اپنی رضامندی سے خریدا ہو۔

ب لیکن اگر بائع فروخت شدہ شئے کے عیب سے واقف ہو اور اس کے باوجود وہ خریدار سے اس عیب کو چھپائے اور اپنی بری نیت پر پردہ ڈالنے کے لیے عیب کے ضمان سے بری ہونے کی شرط لگائے تو فقہی اجتہاد کی روشنی میں اس کی یہ شرط صحیح قرار نہیں پائے گی اور وہ ضمان ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ کیونکہ اس کی یہ شرط بربنائے احتیاط نہیں ہے بلکہ بربنائے حیلہ ہے۔ یعنی چونکہ اس نے بری نیت سے یہ شرط عائد کی ہے اس لیے اسے اس شرط سے مستفید ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔[۵۱]

خلابہ کے احکام کا عمومی خلاصہ

فقہ اسلامی کے مختلف مسالک سے ہم نے خلابہ کی جو صورتیں بیان کی ہیں یعنی خیانت،

تناجش، تغریر، تدلیس عیب، اور ان سے ملتی جلتی دوسری صورتیں جن کو ہم نے نقل نہیں کیا ہے اور جنہیں آپ مختلف کتب فقہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ان سب کو مدنظر رکھ کر شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ہم خلابہ کا ایک عام حکم بیان کر سکتے ہیں۔

خلابہ کی تمام مذکورہ صورتیں اور دیگر تمام وہ طریقے جن کے ذریعے سے عاقدین میں سے کوئی دھوکہ دینے کی کوشش کرے، دوسرے عاقد کی رضامندی میں نقص پیدا کر سکتا ہے اور عاقد کی لازمی قوت پر اثر انداز ہو سکتا ہے، اور شرعاً اس عاقد کے حق میں جس نے دھوکہ کھایا ہے اس اختیار کو بروئے کار لاتا ہے جس کے تحت وہ مختلف مسالک فقہ کی روشنی میں عقد کو باطل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن کبھی خلابہ کے ساتھ یہ بھی شرط ہوتی ہے کہ دھوکہ کھانے والے عاقد کو غبن (نقصان) ہوا ہو، اور اس غبن کی شرط نہیں ہوتی، اور اس کا تعلق خلابہ کے مقصود اور اس کی غایت سے ہوتا ہے۔

الف اگر خلابہ کا مقصود فریب خوردہ شخص پر قیمت میں اضافہ کرنا ہو تو اس صورت میں خلابہ رضامندی میں نقص پیدا کرتا ہے اور عقد کے باطل قرار دینے کی گنجائش ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں غبن فاحش ہو، جیسا کہ تناجش کی صورتوں میں ہے اور قیمت سے متعلق قولی تغریر کی صورت ہے ان تمام حالات اور ان جیسی دیگر صورتوں میں فریب دینے والے کا مقصود بدل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر یہ خلابہ غبن فاحش پر منتج ہو تو فریب خوردہ شخص کو اختیار ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

اس سے بیوع امانت مثلاً مرابحہ میں خیانت مستثنیٰ ہے کیونکہ اگرچہ اس کا مقصود بھی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس میں خریدار کو ہر حالت میں عقد کے باطل کرنے یا خیانت کی مقدار کے وقت قیمت ساقط کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جیسا کہ خیانت کے حکم کے بیان میں مختلف اجتہادی آراء گذر چکی ہیں اگرچہ خریدار کو مبیع کی قیمت میں نقصان اٹھانا پڑے مثلاً کوئی شخص دس روپے میں کوئی شئے یہ بتا کر فروخت کرے کہ اس کی اصل قیمت آٹھ روپے ہے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ اس کی اصل قیمت سات روپے ہے۔ لیکن اس شئے کی بازاری قیمت دس روپے یا اس سے زائد ہو تو اس صورت میں بائع کی خیانت کے باوجود خریدار کو کوئی غبن نہیں

ہوگا لیکن خریدار کو عقد کے باطل کرنے کا حق ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرابحہ وغیرہ کی بیع دونوں فریق کے اتفاق سے اصل مال کی اساس پر قائم ہوتی ہے ۔ اس لیے " راس المال " کے بیان میں ہر جھوٹ اس اتفاق کے برخلاف ہوگا جو عاقد کے درمیان ہوا ہے ۔ اگرچہ اس میں غبن نہ ہو۔

ب اور اگر خلابہ کا مقصود فریب خوردہ عاقد کو جس چیز پر عقد کیا جا رہا ہے اس کے وصف میں دھوکہ دینا ہو اور یہ تاثر دے کہ یہ شئے بہت عمدہ ہے یا اس کی کسی اور خوبی کو نمایاں کرے تو یہ امر رضامندی میں نقص پیدا کرے گا اور اس سے عقد کو باطل کرنے کی گنجائش پیدا ہو جائے گی اگرچہ اس کی قیمت میں کوئی غبن نہ ہو جیسا کہ اس " الشاۃ المصراۃ " میں ہے جو ایسی قیمت میں فروخت کی جائے تو اس کے دودھ نہ دینے والی قسم کی قیمت سے زائد نہ ہو اور جیسے پھل جس کا عمدہ حصہ اوپر کی جانب رکھ دیا گیا ہو اس قیمت میں فروخت کیا جائے جو اس کے نیچے رکھے ہوئے کمتر درجے کے پھل سے زائد نہیں ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور فریب خوردہ عاقد کا مقصود وہ وصف ہوتا ہے جس کا اسے تاثر دیا گیا ہو اور اس وصف کا نہ ہونا اس کے حق میں خیار کو وجود میں لانے والا ہوگا[۵۸]

غبن مجرد اور اس کے مستثنیات

مذکورہ بیان سے اس امر کی وضاحت ہو گئی ہے کہ عقود میں پایا جانے والا " غبن فاحش " اس وقت تک رضامندی میں نقص پیدا نہیں کرتا جب تک اس کے ساتھ کسی درجہ میں خلابہ (SWINDLING) موجود نہ ہو ۔ بیشتر فقہی اجتہادات اسی رائے کی حامل ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر صرف غبن (غبن مجرد) موجود ہو اور اس کے ساتھ کوئی فریب اور دھوکہ نہ ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خود عاقد مغبون (معاملہ میں نقصان اٹھانے والا شخص) قیمتوں کے معلوم کرنے اور منصفانہ عوض کی معرفت سے عاجز ہے ، اور یہ اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ عاقد آخر نے کوئی فریب کیا ہے ۔ ہر انسان بغیر دھوکہ کے اور بغیر کوئی حیلہ کئے جائز اور آزادانہ طریقہ پر زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے ، بشرطیکہ اس میں معاشرہ کا نقصان نہ ہو ۔ معاشرے کو نقصان پہنچنے کی صورت میں اس کی آزادی

پر پابندی لگائی جائے گی اور اس کے منافع کی تحدید کی جائے گی مثلاً اگر تاجر ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کر رہے ہوں تو حکومت ان کی مرضی کے برخلاف ان اشیاء کو فروخت کر دے گی۔ اسی طرح اگر تاجر اشیاء کی من مانی قیمتوں کے وصول کرنے پر متحد ہوجائیں تو حکومت قیمتوں کے تعین (PRICE CONTROL) کی مجاز ہوگی۔

ذخیرہ اندوزی اور من مانی قیمتیں وصول کرنے کی صورتوں کے علاوہ روزمرہ کے معاملات میں ایسے غبن سے روکنا شریعت کا مطمح نظر نہیں ہے جو دھوکہ اور فریب سے عاری ہوں۔ بلکہ اندریں حالت شریعت کا مطمح نظر یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے ہر دو فریق (متعاقدین) اہلیت اور حریت میں برابر ہوں اور ہر شخص اپنی آنکھیں کھلی رکھے اور اپنے آپ کو غبن سے بچائے۔ اسلیے کہ ہر انسان کی اپنے مفاد کے تحفظ کی رغبت بذات خود اس امر کی ضامن ہے کہ وہ اس امر کی جستجو کرے جو اس کے حق میں بہتر ہو اور ہر اس بات سے اجتناب کرے جو اس کے سوا ہو۔ اس لیے اس کی فروگزاشت کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوگی[۹۱]

اوپر محض غبن (غبن مجرد) کے بارے میں فقہی اجتہادات کا بیان ہوا۔ اب حسب ذیل مستثنیات (Exceptions) کا بیان ہوتا ہے۔

وہ استثنائی صورتیں جن میں غبن مجرد کو ارادہ میں نقص پیدا کرنے والا متصور کیا جاتا ہے۔

استثنائی صورتیں

حنفی مسلک اور دیگر مسالک میں تین صورتیں مزید ایسی ہیں جن میں غبن فاحش ممنوع ہے اگرچہ اس میں خلابہ موجود نہ ہو اور محض غبن ہو۔ یہ تینوں استثنائی صورتیں (Exceptional cases) یہ ہیں...

- یتیم کے حقوق
- وقف
- اور بیت المال

ان تینوں پہلوؤں میں غبن کے ساتھ عقد ہوا ہو تو یہ عقد از روئے شریعت غبن کرنے والے پر رد ہوگا۔ کیونکہ یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں جن میں معاملات کی دیکھ بھال کرنے والے ان کے حقوق کی حفاظت میں تساہل برتتے ہیں، اس لیے ان میں مزید قانونی تحفظ Legal protection

درکار ہے۔

بہرحال حنفی مسلک کی رو سے دو صورتیں ایسی ہیں جن میں بغیر خلابہ کے غبن مجرد ا مغبون شخص کی رضامندی کا نقص متصور ہوتا ہے اور اسے عقد کے باطل کر دینے کی گنجائش فراہم کرتا ہے۔ وہ دو صورتیں یہ ہیں۔

- بیع استرسال
- تلقی

استرسال ازروئے لغت استرسال کے معنی سکون اور ثبات کے ہیں۔ بالفاظ دیگر کسی انسان پر بھروسہ کرنے اور اس پر اعتماد کر لینے کو استرسال کہتے ہیں۔ یعنی خریدار اگر کسی شئے کی خریداری میں فروخت کنندہ پر اعتماد کرے اور خود اسے قیمت کا علم نہ ہو اور اور نہ اس میں کاروباری صلاحیت موجود ہو تو یہ استرسال ہے اور اس طرح خریداری کرنے والے کو "مسترسل" کہا جاتا ہے۔

محمد بن احمد بن قدامہ نے مسترسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"المسترسل هو الجاهل بقيمة السلعة ولا يحسن المبايعة"

ترجمہ: مسترسل وہ شخص ہے جو شئے کی قیمت سے ناواقف ہو اور اچھی طرح معاملہ نہ کر سکتا ہو۔[۷۹]

امام احمدؒ فرماتے ہیں؛

"المسترسل هو الذی لا يماكس فكأنه استرسل الى البائع فاخذ ما اعطاه من غير مماكسة ولا معرفة بغبنه"[۸۰]

ترجمہ: مسترسل وہ شخص ہے جو بھاؤ نہ طے کر سکے گویا اس نے (کسی شئے کو خریدتے وقت) بائع پر پورا بھروسہ کر لیا اور بھاؤ کیے بغیر اور اپنے نقصان کا ادراک کیلیے بغیر وہ شئے خرید لی جو بائع نے اسے دی۔)

مشہور مالکی فقیہ خطاب فرماتے ہیں:

"هو ان يقول الرجل اشترمنی سلعتی كما تشتری الناس

فانی لا اعلم القیمة فیشتری منه بما یعطیه من الثمن"

ترجمہ: کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ سے یہ سامان اسی طرح خرید لو جیسے لوگ خرید رہے ہیں کیونکہ مجھے قیمت معلوم نہیں ہے اس پر وہ اس سے وہ شئے خرید لیتا ہے۔

فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں بیع استرسال کا ذکر ملتا ہے کہ عاقد (معاملہ کرنے والا فریق) اپنے دل میں موجودات ظاہر کر دے اور یہ بتا دے کہ اسے معاملات کا علم نہیں ہے اور وہ اپنے ساتھ معاملہ کرنے والے دوسرے فریق پر پورا اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے کہ وہ اسے فلاں شئے جس طرح اور جس قیمت پر دوسرے لوگوں کو فروخت کرتا ہے اسے بھی دے دے یعنی اس صورت میں یہاں بیوع امانات کی طرح اصل قیمت اساس نہیں ہے بلکہ بازار کی قیمت ہے۔ اگر معاملہ کرنے والا فریق سچ نہ بولے اور بازار کے اصل بھاؤ سے آگاہ نہ کرے بلکہ اس کے بجائے جھوٹ اور دھوکہ سے کام لے تو یہ جھوٹ غش (دھوکہ) اور تدلیس (Swindling) شمار ہوگا اور دھوکہ کھانے والے شخص (عاقد مغبون) کو اس معاملہ کو باقی رکھنے یا رد کر دینے کا اختیار ہوگا[۱۲] اس لیے کہ فرمان نبوی ہے۔

"غبن المسترسل ظلم"[۱۳]

جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "استرسال" کی صورت میں غبن (دھوکہ اور نقصان) ہونے پر مسترسل کو خریدی ہوئی شئے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ مبیع (Sold Thing) محفوظ اور سالم ہے اور بائع (Seller) کی جانب سے تدلیس (Swindling) موجود نہیں ہے بلکہ اگر کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے تو وہ خریدار کی جانب سے ہوتی ہے کہ اس نے احتیاط نہیں برتی اور اچھی طرح سوچ کر معاملہ نہیں کیا[۱۴]

غبن مسترسل کے بارے میں مالکی مسلک کے فقہاء نے طویل بحث کی ہے۔ مسلک مالک کے فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ اگر غبن فاحش ہو تو اس سے رضامندی میں نقص پیدا ہو جاتا ہے، اور خیار ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر ان فقہاء نے مسترسل کی یہ توضیح کی ہے کہ

"مسترسل وہ شخص ہے جو معاملہ کرتے وقت دوسرے فریق کی بات تسلیم کرے اور قیمت کے بارے میں اس پر اعتماد کرے اور اسے یہ بتائے کہ اسے قیمتوں

کا علم نہیں ہے اور وہ اس کے ساتھ بازار کی قیمت پر معاملہ کرے "
اس صورت میں اگر مسترسل کو غبن ہو جائے تو اسے خیار (اختیار) حاصل ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص قیمتوں سے ناواقف تو ہو مگر وہ غیر مسترسل ہو، (یعنی وہ فریق معاملہ کو اس سے آگاہ نہ کرے کہ وہ قیمتوں سے ناواقف ہے) اس میں مغبون کو خیار حاصل ہونے کے بارے میں مسلک کے فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

اور اگر یہ شخص بازار کی قیمتوں سے واقف ہو اور اسے غبن ہو جائے تو باتفاق فقہاء اسے اختیار حاصل نہیں ہوگا[۹۵]

حنبلی مسلک کے فقہاء "مسترسل" کی یہ تشریح نہیں کرتے کہ وہ دوسرے فریق کو یہ بتائے کہ وہ قیمتوں سے ناواقف ہے اور اس پر اعتماد کرے بلکہ ان کے نزدیک "استرسال" کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک شخص قیمتوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر دوسرے فریق کی بات تسلیم کرے اور قیمت کم نہ کرا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ مالکی فقہاء کی عائد کردہ یہ شرط کہ "مسترسل بازار کی قیمتوں کے بارے میں بائع پر اپنے اعتماد کا اظہار کر دے" اس کو "غلابہ" کی صورتوں میں "تغریر" کے موضوع سے متعلق بنا دیتی ہے۔ کہ بائع نے اسے بازار کی قیمت پر اس شئے کے فروخت کرنے کا دھوکہ دیا اور جب خریدار نے اس پر اعتماد کر لیا تو اس نے اس کے ساتھ غبن کیا اور یہی قیمت کے بارے میں تغریر قولی ہے۔

تلقی رکبان "تلقی رکبان" یہ ہے کہ گاؤں اور دیہات سے جو لوگ برائے تجارت شہر آرہے ہوں، کوئی شخص شہر سے باہر جا کر ان سے رابطہ کرے اور جو اشیاء وہ برائے فروخت لائے ہیں وہ ان سے خرید لے اور جو اشیاء وہ خریدنا چاہتے ہیں وہ انھیں فروخت کر دے[۹۶]

"تلقی رکبان" کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ممانعت مروی ہے۔

"نھی النبی عن تلقی البیوع"[۹۷]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی بیوع سے منع فرمایا۔

اس موضوع کی دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے۔

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتلقی الجلب فان تلقاہ انسان فابتاعہ فصاحب السلعۃ فیھا بالخیار اذا ورد السوق[۶۸]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے منع فرمایا۔ اگر کوئی شخص باہر جاکر قافلہ والوں سے سامان خریدے تو بازار پہنچنے پر سامان کے مالک کو اختیار رہوگا۔

تلقی بیوع کی ممانعت کی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے بھی مروی ہے۔ علامہ شوکانی تلقی رکبان کے بارے میں فقہی اختلاف کی توضیح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"وقد اختلف فی ھذا النھی ھل یقتضی الفساد ام لا ؟ فقیل یقتضی الفساد، وقیل لا وھو الظاھر، لان النھی ھھنا لامر خارج وھو لا یقتضیہ کما تقرر فی الاصول، وقد قال بالفساد المرادف البطلان بعض المالکیۃ و بعض الحنابلہ، وقال غیرھم بعدم الفساد لما سلف، ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فصاحب السلعۃ فیھا بالخیار، فانہ یدل "علی انعقاد البیع، ولو کان فاسدا لم ینعقد۔ وقد ذھب الی الاخذ بظاھر الحدیث الجمھور، فقالوا لا یجوز تلقی الرکبان، واختلفوا ھل ھو محرم اومکروہ فقط۔ وحکی ابن المنذر عن ابی حنیفۃ انہ اجاز التلقی ، وتعقبہ الحافظ بان الذی فی کتب الحنفیۃ انہ یکرہ التلقی فی حالتین انہ یضر باھل البلد، وان یلبس السعر علی الواردین[۶۹]

ترجمہ: اس ممانعت کے بارے میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ کیا یہ ممانعت فساد کو مقتضی ہے یا نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مقتضی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں ہے اور یہی واضح قول ہے، کیونکہ ممانعت ایک خارجی امر

کی بنا پر ہے جو فساد کا مقتضی نہیں ہے جیسا کہ اصول میں ثابت ہے ۔ بہرحال بعض مالکی اور حنبلی مسلک کے فقہاء بطلان کے ہم معنی فساد کے قائل ہیں جبکہ دیگر فقہاء فساد کے قائل نہیں ہیں ۔ مذکورہ دلیل کی بنا پر اور اس فرمانِ نبوت کی بنا پر کہ "سامان کے مالک کو اختیار ہے ۔ کہ خود یہ فرمانِ نبوت اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ بیع منعقد ہو جائے گی اگر فاسد ہوتی تو منعقد نہ ہوتی ۔ جمہور فقہاء نے ظاہر کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ تلقی رکبان جائز نہیں ہے ۔ پھر یہ اختلاف ہوا ہے کہ حرام ہے یا مکروہ ہے ۔ ابن المنذر نے امام ابو حنیفہؒ کا تلقی کے جائز ہونے کا قول نقل کیا ہے ۔ حافظ (ابن حجر) فرماتے ہیں کہ حنفی کتب میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تلقی دو حالتوں میں مکروہ ہے ، کہ اس میں شہر والوں کے لیے مضرت کا پہلو ہو اور باہر سے سامان لانے والوں پر اصل قیمتیں ملتبس ہو جائیں ۔

ھ ... خیار (اختیار)

معاملہ کے ہر دو فریق میں سے کسی کو معاملہ کے ختم کر دینے کا شرعی اختیار حاصل ہونا فقہ کی زبان میں "خیار" (OPTION) کہلاتا ہے[۹]

فقہاء نے ان خیارات کی تعداد بیس تک پہنچائی ہے جبکہ المجلہ نے حسب ذیل سات خیار بیان کیے ہیں اور بیع کے بیان میں مادہ نمبر ۳۰۰ تا ۳٦۰ ، اجارہ کے بیان میں مادہ نمبر ۴۹۰ ، ۵۲۱ اور دیگر مقامات پر مثلاً تقسیم وغیرہ میں ان کے بالتفصیل احکام بیان کیے ہیں ۔

- خیار شرط (STIPULATION FOR OPTION)
- خیار وصف (OPTION FOR MISREPRESENTATION)
- خیار نقد (OPTION ON NON PAYMENT)
- خیار تعیین (OPTION OF CHOICE)
- خیار رویت (OPTION ON INSPECTION)
- خیار عیب (OPTION FOR DEFECT)

• خیار غبن والتغریر[۱] (

عقد کے یہ اختیارات ایسے حالات کے ظاہر ہونے کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں جن میں عاقد کے ارادے میں رضامندی کا کوئی نقص شامل ہو جاتا ہے، اور اس کی بنا پر عقد لازم کا لزوم ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے حالات بہت زیادہ اور بے شمار ہیں۔

اسی لیے فقہا نے عقود لازم کے لزوم کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ اس میں فریقین معاملہ میں سے کسی کو اختیار حاصل نہ ہو۔

ان اختیارات (Option) میں سے بعض ایسے ہیں جو معاملہ کے دونوں فریق کے ارادے سے متفق ہونے کے ثبوت پر موقوف ہوتے ہیں یعنی یہ اختیارات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتے جب تک معاملہ کے دونوں فریق ان کی شرط[۱] نہ کریں۔ اس اعتبار سے یہ منجملہ شرائط عقد متصور ہوں گے یہ اختیارات دو ہیں۔

• ۔ خیار شرط

• ۔ اور خیار نقد

بعض اختیارات ایسے ہیں جو فریقین معاملہ میں سے کسی ایک کی مصلحت کے پیش نظر اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے شریعت نے لازم قرار دیے ہیں۔ یہ اختیارات رضامندی کے ان نقائص کا نتیجہ ہیں جن کا ذکر " ارادہ کے نقائص " مثلاً خلابہ (دھوکہ دہی) تدلیس عیب، اور تجزیہ صفقہ (معاملے کا حصول میں منقسم ہو جانا)۔

صاحب خیار کو عقد کے ختم کرنے یا اسے برقرار رکھنے کا اختیار اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کوئی ایسا امر وجود میں نہ آجائے جو اس اختیار کو ساقط کر دے، یا کوئی ایسا شرعی مانع نہ پیدا ہو جائے جو اس اختیار کے استعمال میں مزاحم بن جائے۔ جیسا کہ مختلف فقہی ابواب (مباحث) میں اور المجلہ کی دفعات ۳۰۰ سے ۳۶۰ میں اس کی تفصیل مذکور ہے[۲]

عقد کے بعض اختیارات عدالت کے فیصلے پر موقوف ہیں۔ یعنی عدالتی فیصلے سے قبل نہ یہ اختیار صاحب اختیار کے لیے ثابت ہوگا اور نہ اس کی جانب سے منع قبول ہوگا جیسا کہ خیار عیب (OPTION FOR DEFECT)[۳] میں ہے۔ یہ خیار عیب ایک ایسا امر ہے جس

کو معاملے کے ختم کر دینے کے قابل قرار دینے کے لیے اس کی پرکھ اور عدالتی تحقیق ضروری ہے۔

جبکہ بعض اختیارات کو عدالتی حکم کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صاحب اختیار فی الواقع اس اختیار کے سبب کے وجود میں آجانے کے بعد اس اختیار کو عقد کے فسخ کرنے کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ یعنی صاحب اختیار کا معاملہ کو فسخ کر دینا بغیر عدالتی فیصلے کے نافذ ہو جائے گا۔ جیسا کہ خیار شرط میں ایسا ہی ہے اور تفرق صفقہ (معاملہ کے خصوص میں منقسم ہو جانے) کی صورت میں ایسا ہی ہے [۳۳]

ان تینوں صورتوں میں جن میں فساد یا اکراہ یا اختیار کی وجہ سے عقد لازم کا لزوم ختم ہو جاتا ہے یہ امر قابل توجہ ہے کہ ان میں عقد رجعی تاثیر (Retrospective effect کا حامل نہ ہوگا۔ اور عقد کا اختتام ماضی کی جانب لوٹے گا۔ یعنی عقد ایسا ہو جائے گا جیسا کہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔ برخلاف اس صورت کے جس میں فسخ کا حکم عقد غیر لازم میں عدم لزوم کی بنا پر ہوتا ہے [۳۴]

سنت نبوی سے ثابت ہے کہ بیع کے معاملہ میں خریدار کے حق میں خیار (اختیار) کی شرط عائد کرنا جائز ہے یعنی یہ شرط کہ ایک مدت معینہ کے اندر اس عقد کے برقرار رکھنے یا اس کے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کو خیار شرط کہتے ہیں اور اس اختیار کے دیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ خریدار کو قدرے مہلت مطلوب ہوتی ہے تاکہ دھوکہ سے بچ سکے۔ چنانچہ مروی ہے کہ صحابیٔ رسول حبان بن منقذ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ انھیں اکثر خرید و فروخت کے معاملات میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ معاملہ کرتے وقت آپ یہ طے کر لیا کریں کہ مجھے اس معاملہ کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے میں تین دن کا اختیار رہے تاکہ کسی طرح کا دھوکہ نہ ہو۔

مشتری (خریدار) کے اس اختیار پر قیاس کرتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر بائع (فروخت کنندہ) بھی اختیار کی شرط لگائے تو جائز ہے کیونکہ اس معاملہ میں فروخت کنندہ کی ضرورت بھی خریدار کی ضرورت کی طرح ہے۔

اسی طرح فقہاء کرام نے "خیار" نقد کے جواز کو بھی "خیار شرط" پر قیاس کیا ہے۔ خیار

نقد (بروقت ادائیگی کا اختیار) کا مفہوم یہ ہے کہ فروخت کنندہ اس خریدار پر جو ادائیگی میں مہلت طلب کر رہا ہے یہ شرط لگائے کہ وہ مقررہ مدت کے اندر رقم ادا کر دے اور اگر اس نے اس مقررہ مدت میں قیمت ادا نہ کی توان دونوں کے درمیان خریداری (بیع) کا یہ معاملہ باقی نہیں رہیگا۔ اس طرح کی شرط کی بائع (فروخت کنندہ) کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ خریدار طویل وقت کے لیے غائب ہو جائے اور ادائیگی میں تاخیر کرے۔ پھر چونکہ فروخت شدہ شئے بیع کے معاملے سے خریدار کی ملکیت بن چکی ہے۔ اس لیے بائع (فروخت کنندہ) اس میں تصرف بھی نہیں کر سکے گا۔ اس طرح بائع کا نقصان ہوگا اور اس کا معاملہ خریدار کے رحم وکرم پر لٹکا رہے گا۔

خیار نقد (ادائیگی قیمت کے اختیار) کو خیار شرط پر قیاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی ایسی شرطیں ہیں جن کی وجہ سے ایک قانونی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے بیع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

وبلغنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه جعل رجلا من الانصار بالخيار في كل بيع يشتريه بثلاثة ايام) واسم هذا الرجل حبان ابن منقد وأبوه منقذ بن عمروفا لاختلاف فى اسمه روى الحديث باللفظ الذى ذكرنا وقد كان يعين فى البياعات لمأمومة اصابت رأسه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا بايعت فقل لاخلابة ولى الخيار ثلاثة أيام وكان ألثغ باللام فكان يقول لاخزابة ففى الحديث دليل جواز البيع مع شرط الخيار والقياس يأبى ذلك لان شرط الخيار تعلق العقد وعقود المعاوضات لاتحتمل التعليق ويبقى مقتضى العقد وهو اللزوم وموجبه هو الملك ولكنا نقول تركنا هذا القياس للحديث ولحاجة الناس الى ذلك فالبيع عقد معاينة والمقصود به الاسترباح ولا يمكنه تحصيل ذلك

الا ان یری النظر فیه ویریه بعض احد قائه لیحتاج لاجل ذلك الی شرط الخیار فاذا کان یجوز بعض العقود لحاجة الناس کالاجارة ونحوها فشرط الخیار فی العقد أولی ثم اصل العقد لایتعلق بالشرط لان الخیار صفة فی العقد یقال بیع بات وبیع بخیار و بالصفة لا یتعلق أصل الموصوف وانما یدخل الخیار فی الحکم فیجعله فی معنی المعلق بالشرط لان الشرط لا یخلو السبب عن الحکم الا ان یتصل الحکم به فقد یجوز ان یتأخر الحکم عنه لمؤخر کما یتاخر وجوب تسلیم الثمن بشرط الاجل[۵۹]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ایک انصاری شخص کو جو شئے وہ خریدیں اس میں تین دن کا اختیار دیا تھا۔ ان صاحب کا نام حبان ابن منقذ اور ان کے والد کا نام منقذ ابن عمرو تھا۔ گویا اختلاف صرف نام میں ہے جبکہ حدیث کے الفاظ وہی ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس کی بناپر وہ اشیاء کی خریداری میں نقصان اٹھایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم کوئی شئے خریدنے لگو تو یہ کہہ دیا کرو "لا خلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا) اور مجھے تین دن کا اختیار حاصل ہوگا۔ ان صاحب کی زبان میں تتلاہٹ تھی جس کی بناپر لاخلابہ کو "لاخذابہ" کہا کرتے تھے۔ بہرحال یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ خیار کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے۔ درآنحالیکہ از روئے قیاس اس امر کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ خیار کی شرط عقد کو معلق بنا دیتی ہے۔ اور عقود معاوضات (عوض والے معاملات) تعلیق کو قبول نہیں کرتے بلکہ ان میں عقد کا مقتضا یعنی اس معاملے کا لازم ہونا اور عقد کا موجب یعنی ملکیت باقی رہتی ہے۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حدیث کی وجہ سے اور لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر یہاں قیاس کو ترک کر دیا ہے کیونکہ بیع ایسا عقد ہے جس میں خریدی جانے والی شئے کو دیکھا جاتا ہے کہ

اس عقد کا مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جس کی تحصیل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک خریدنے والا اس کو دیکھ نہ لے اور اپنے بعض دوستوں کو دکھا نہ لے۔ اس غرض کے لیے اسے خیار شرط کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جب اجارہ اور اس جیسے دیگر معاملات جائز ہیں تو عقد میں اختیار کی شرط عائد کرنا زیادہ موزوں ہے۔ اس وصف کے ساتھ اصل موصوف متعلق نہیں ہوتا بلکہ اختیار حکم پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس حکم کے شرط کیساتھ معلق ہونے کے مفہوم میں بنا دیتا ہے۔ کیونکہ شرط سبب حکم سے خالی نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ حکم اس کے ساتھ متصل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی موخر کی موجودگی کی بنا پر اس کا حکم متاخر ہو جائے جیسا کہ مدت مقرر کرنے کی شرط کی بنا پر قیمت کی سپردگی کا لازم ہونا موخر ہوتا ہے۔

خیار شرط کی مدت امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک خیار شرط کی مدت تین دن یا اس سے کم ہے۔ مگر تین دن سے زائد جائز نہیں ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد بن حنبل اور ابن ابی لیلی کے نزدیک اگر مدت متعین اور معلوم ہو تو تین دن سے بھی زائد جائز ہے۔

خواہ یہ مدت طویل ہو یا کثیر ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"المسلمون عند شروطهم"

ترجمہ: مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔

اس لیے اگر کوئی شخص خیار شرط میں ایک مہینے کی مدت کی شرط لگائے تو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اونٹنی کی خریداری کے بارے میں دو مہینے کی مدت خیار کرنے کی اجازت دی۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

والخيار يجوز اكثر من ثلاث ...... ويجوز اشتراط

الخيار ما يتفقان من المدة المعلومة قلت مدته اوكثرت، وبذلك قال ابويوسف ومحمد وابن المنذر، وحكى ذلك عن الحسن بن صالح والعنبرى وابن ابى ليلىٰ واسحاق وأبى ثور، وأجازه مالك فيما زاد على الثلاث بقدر الحاجة مثل قرية لا يصل اليها فى أقل من اربعة أيام لان الخيار لحاجته فيقدر بها، وقال ابوحنيفة والشافعى لا يجوز اكثر من ثلاث لما روى عن عمر رضى الله عنه أنه قال: ما اجد لكم اوسع مما جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم لحبان جعل له الخيار ثلاثة أيام ان رضى اخذ وان سخط ترك ولان الخيار ينافى مقتضى البيع لانه يمنع الملك واللزوم واطلاق التصرف وانما جاز لموضع الحاجة فجاز القليل منه وآخر حد القلة ثلاث[۱]

ترجمہ: "خیار" تین دن سے زائد کے لیے بھی درست ہے ۔ ..... خیار کی شرط اتنی مقرر مدت کے لیے جائز ہے جس پر فریقین متفق ہوں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ یہ رائے امام ابویوسف، محمد اور ابن المنذر کی ہے اور حسن بن صالح، عنبری، ابن ابی لیلیٰ، اسحاق اور ابوثور سے بھی یہی قول منقول ہے ۔ امام مالک کے نزدیک تین دن سے زائد مدت کی بوقت ضرورت اجازت ہے مثلاً (متعاقد کی) بستی چار یوم کے فاصلے پر ہو، اس لیے کہ خیار اس (متعاقد) کی ضرورت ہے اس لیے اس کی مقدار کا تعین اس کی ضرورت کے مطابق ہوگا ۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین روز سے زائد کی مدت کے لیے خیار جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے اس سے زیادہ وسعت نہیں پاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان کو دی تھی، آپ نے انھیں تین دن کا اختیار دیا تھا کہ اگر راضی ہوں تو (وہ شئے) لے لیں اور اگر ناخوش ہوں تو چھوڑ دیں مزید برآں یہ کہ "خیار" بیع کے مقتضا کے منافی ہے کیونکہ خیار ملکیت، لزوم

اور مطلق تصرف سے مانع ہے ۔ دراصل خیار کی اجازت بر بنائے ضرورت ہے۔ اس لیے اس کی قلیل مقدار جائز ہے اور کم سے کم کی آخری حد تین دن ہے۔

علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ جو فقہاء خیار شرط کے قائل ہیں ان میں سے امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کی فی نفسہ کوئی مدت متعین نہیں ہے ۔ بلکہ مدت کی تحدید خریدی جانے والی مختلف اشیاء کے فرق پر مبنی ہے ، مثلاً کپڑے کی خریداری میں خیار شرط ایک یا دو دن کی ہوسکتی ہے ۔ جب کہ گھر کی خریداری کے لیے خیار شرط ایک ماہ ہوسکتی ہے ۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ خیار شرط صرف تین دن ہے اور اس سے زائد جائز نہیں ہے ۔ امام احمد، امام ابویوسفؒ، امام محمد ابن الحسن کہتے ہیں جو مدت بھی بطور شرط طے ہو جائے وہی جائز ہے اور یہی رائے داؤد کی ہے ۔

اگر کوئی شخص مدت کا تعین نہ کرے یا خیار شرط ہمیشہ کے لیے رکھے یا مدت کو مجہول رکھے مثلاً زید کی آمد یا بارش کے ہونے پر موقوف قرار دے تو امام مالکؒ کے نزدیک یہ عقد صحیح ہو جائے گا اور قاضی طریقے اور عادت کے مطابق مناسب مدت کا تعین کرے گا۔

امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اس اختیار کو تین دن کے اندر اندر استعمال کرے تو عقد صحیح ہو جائے گا اگر اس حق کے استعمال کیے بغیر تین دن گزر گئے تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔[۲۵]

خیار شرط کا حکم

جس عقد میں خیار شرط عائد کیا گیا ہو اس کے دو مرحلے ہیں:

اوّل : مدت خیار کے دوران اور اس کے استعمال سے قبل ۔

دوم : مدت خیار کے ختم ہونے اور اس کے استعمال کے بعد۔

فروخت شدہ شئے کی ملکیت

اگر بیع کے معاملے میں خیار شرط موجود ہو اور خیار مشتری (خریدار کا ہو) تو مبیع (فروخت شدہ شئے) کی ملکیت اس کی جانب منتقل ہو جائے گی کیونکہ بیع بائع پر لازم ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مبیع بائع کی ملکیت سے نکل جائے گی ۔ مگر خریدار کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی جبکہ قیمت خریدار کی ملکیت سے نہیں نکلے گی ، بلکہ اس کے ذمہ بطور قرض باقی رہے گی اس لیے

کہ یہ بیع خریدار کے حق میں غیر لازم ہے ۔

اور اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو مبیع اس کی ملک میں برقرار رہے گی ، کیونکہ یہ بیع اس کے حق میں لازم نہیں ہے اور قیمت مشتری کی ملکیت سے بیع کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی کیونکہ مشتری کے حق میں لازم ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت خریدار کی ملکیت سے نکل جائے گی لیکن بائع کی ملکیت میں داخل نہیں ہو گی ۔

اور اگر دونوں کو حاصل ہو تو مبیع بائع کی ملکیت میں برقرار رہے گا کیونکہ بیع اس کے حق میں غیر لازم ہے ۔ اسی طرح قیمت خریدار کی ملکیت میں برقرار رہے گی کیونکہ بیع اس کے حق میں بھی غیر لازم ہے ، غرض اس حالت میں مبیع اور ثمن دونوں کی ملکیت موقوف رہے گی ۔[۴۸]

الکاسانی فرماتے ہیں :

خیار کی چار صورتیں

۱ ۔ یہ کہ بائع اور مشتری دونوں کو خیار حاصل ہو ۔

۲ ۔ یہ کہ صرف بائع کو خیار حاصل ہو ۔

۳ ۔ یہ کہ صرف مشتری کو خیار حاصل ہو ۔

۴ ۔ اور یہ کہ بائع اور مشتری دونوں کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو خیار حاصل ہونے کی شرط عائد کر لی ہو ۔

اگر بائع اور مشتری دونوں کو خیار حاصل ہو تو عوضین میں حکم کی حد تک عقد منعقد نہیں ہو گا یعنی نہ تو مبیع بائع کی ملکیت سے خارج ہو گی اور نہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو گی اور اسی طرح ثمن بائع کی ملکیت سے خارج نہیں ہو گا جبکہ حق حکم میں دونوں جانب عقد کے مانع یعنی خیار موجود ہے ۔

اگر خیار صرف بائع کو حاصل ہو تو اس کا حق حکم کی حد تک عقد منعقد نہیں ہو گا یعنی نہ تو اس کی مبیع کی ملکیت ختم ہو گی اور نہ ہی مشتری کو اس میں تصرف کا اختیار حاصل ہو گا ۔ البتہ مشتری سے قیمت کی ملکیت خارج ہو جائے گی کیونکہ اس کی حد تک یہ بیع حتمی اور لازم ہے لیکن کیا یہ قیمت بائع کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی ۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد کہتے ہیں کہ داخل ہو

جائے گی۔
اور اگر خیار صرف مشتری کو حاصل ہو تو اس کے حق میں حکم کی حد تک عقد منعقد نہیں ہوگا یعنی نہ قیمت اس کی ملکیت سے زائل ہوگی اور نہ بائع کو اس میں تصرف کا اختیار حاصل ہوگا اور اگر وہ مشتری پر بطور قرض ہو تو اسے اس کا استحقاق حاصل ہوگا۔ البتہ مبیع بائع کی ملکیت سے خارج ہوجائے گا اور اسے اس میں تصرف کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ بیع اس کے حق میں قطعی اور لازم ہوچکی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی؟ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مطابق داخل ہوجائے گی۔ ان کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ حکم کا ثبوت اصل ہے جبکہ اس میں جو مانع پیدا ہوا ہے وہ عارض ہے۔ یہ مانع یعنی خیار فریقین میں سے ایک کی جانب موجود ہے۔ اس لیے اس کا اثر اسی فریق کی جانب ہوگا جبکہ دوسرے فریق کے اعتبار سے یہ اثر انداز نہیں ہوگا۔ جہاں بائع دیکھتا ہے کہ مشتری کو خیار حاصل ہونے کی صورت میں قیمت مشتری کی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ بیع اس شخص کے حق میں قطعی اور نافذ ہے جس کو خیار حاصل نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو خیار حاصل نہیں ہے۔ عقد اس کے اعتبار سے قطعی قرار پائے گا۔ جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کے قول کا تعلق ہے کہ اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو مبیع اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگا اور اگر خیار مشتری کو حاصل ہو تو قیمت اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی۔ تو یہ قول پہلی صورت میں قیمت کے بائع کی ملکیت میں داخل ہونے اور دوسری صورت میں مبیع کے مشتری کی ملکیت میں داخل ہونے سے دو وجوہ کی بنا پر مانع ہے۔

الف: اس نے عقد مبادلہ میں بدل کو اور اس شئے کو جس کا بدل ہے (مبدل) جمع کر دیا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

ب: اس میں عاقدین کے درمیان معاوضہ کے سبب عدم مساوات پیدا ہوگئی ہے جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ فریقین اس طریق پر رضامند نہیں ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کی یہ رائے کہ بیع اس شخص کے حق میں قطعی ہے جس کا خیار نہیں ہے تو اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے زوال کے حق میں قطعیت لازم آتی ہے اور ثبوت

کے حق میں قطعیت لازم نہیں آتی ۔ کیونکہ فریقین میں سے کسی ایک کا خیار زائل ہونے سے روکنے پر اثر انداز ہوتا ہے اور فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے زائل ہو جانے سے رک جانا دوسرے فریق کی جانب سے ثبوت کے مانع ہے ....

اور اگر مبیع گھر ہو اور خیار بائع کو حاصل ہو تو شفیع کے حق میں شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ مبیع تاحال بائع کی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی ہے اور اگر خیار مشتری کے حق میں ہو تو حق شفعہ بالاجماع ثابت ہو جائے گا ۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے اصول کے مطابق تو ظاہر ہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مبیع مشتری کی ملکیت ہے ۔ امام ابو حنیفہ کے اصول کے مطابق مبیع اگرچہ مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوا ہے لیکن بائع کی ملکیت سے بالاجماع خارج ہو گیا ہے اور حق شفعہ کی ملکیت کا مدار مشتری کی ملکیت کے ثابت ہو جانے پر نہیں ہے بلکہ بائع کی ملکیت کے زائل ہو جانے پر ہے [۱۵۹] ۔

مدتِ خیار کس طرح ختم ہوتی ہے

مدت خیار حسب ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ختم ہوتا ہے ۔

الف :۔ اس مدت کے ختم ہونے کے ساتھ جو فریقین نے اپنے حالات کے تحت کی ہو ۔

ب :۔ جسے خیار حاصل ہے اس کی مدت کے ساتھ کیونکہ خیار کا حق وراثت میں منتقل نہیں ہوتا اس لیے جب وہ شخص مر جائے جسے خیار حاصل ہے تو یہ حق ختم ہو جائے گا ۔

ج :۔ جسے خیار کا حق حاصل ہے وہ خیار کی مدت پوری ہونے سے قبل خیار کے حق کو استعمال کرے ۔ اگر وہ عقد کو برقرار رکھے تو عقد لازم ہو جائے گا ورنہ فسخ ہو جائے گا [۱۶۰] ۔

خیار کے حق کا استعمال

جس شخص کو خیار کا حق حاصل ہے خواہ وہ بائع ہو یا مشتری یا اجنبی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ عقد کو فسخ قرار

دے دے یا اس کو جاری رکھے ۔ الغرض خیار کے حق کے استعمال کے لیے قاضی کا فیصلہ شرط نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرے فریق کی موجودگی بھی شرط نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد کے نزدیک دوسرے فریق کو اس حق کے استعمال کا علم ہونا شرط ہے ۔ اگر خیار کی مدت ختم ہو جائے اور جسے خیار کا حق حاصل ہو وہ نہ عقد کو فسخ کرے اور نہ اسے برقرار رکھے تو خیار کی مدت کے پورا ہو جانے کے بعد عقد کو فسخ نہ کرنا اسکو برقرار رکھنے کے مترادف متصور ہو گا جیسا کہ اس شخص کی موت جسے خیار کا حق حاصل ہو عقد کا نافذ ہونا متصور ہو گا۔

عقد کو فسخ کرنا یا اسے برقرار رکھنا زبان سے یا کسی عمل کے ذریعے پورا ہو جاتا ہے ۔ خواہ وہ صریح ہو یا بطور دلالت ۔ صریح کی مثال مثلاً بائع کا یہ کہنا کہ میں نے اس بیع کو نافذ کر دیا یا میں اس معاملے کو برقرار نہیں رکھتا اور دلالت کے طور پر عقد کو فسخ کرنے یا نافذ کرنے کی مثال یہ ہے کہ جس کو خیار حاصل ہو وہ اس شئے میں کوئی تصرف کرے مثلاً اگر بائع کو خیار حاصل ہو اور وہ مبیع میں مالکانہ تصرف کرے کہ اسے فروخت کردے یا ہبہ کر دے یا مثلاً اجارہ پر دے دے تو یہ معاملے کو بطریق دلالت فسخ کرنا ہو گا اور اگر وہ قیمت میں تصرف کرے مثلاً مشتری کو وہ قیمت کی ادائیگی سے بری قرار دے دے یا اسے ہبہ کر دے یا کسی کو فروخت کر دے یا کسی کو اجارہ پر دے دے تو یہ اس معاملے کو نافذ کرنا متصور ہو گا اور اگر وہ اسی شئے کو بائع سے اجارہ کے طور پر یا عاریتاً لے لے تو بیع کا معاملہ فسخ متصور ہو گا۔[۵۳]

خیار کے حق کے استعمال پر مرتب ہونے والا اثر۔۔۔

جس شخص کو عقد میں خیار کا حق حاصل ہو اور وہ اس معاملے کو فسخ قرار دے دے تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور اسی طرح متصور ہو گا جیسے کبھی منعقد ہی نہیں ہوا تھا اور اس میں کسی عدالتی حکم یا دوسرے فریق کی رضامندی یا موجودگی ضروری نہیں ہو گی لیکن اگر اس نے صراحتاً یا دلالتاً زبان سے یا کسی فعل سے عقد کو برقرار رکھا یا خیار کی مدت میں وفات پا گیا یا خیار کی مدت ختم ہو گئی اور اس نے نہ اس عقد کو فسخ کیا اور نہ برقرار رکھا تو خیار کے حق میں زائل ہو جائے گا اور عقد لازم آجائے گا

اور یہ اثر رجعی تاثیر کا حامل ہو گا یعنی اس وقت سے اس کا آغاز ہو گا جس وقت سے

عقد منعقد ہوا تھا[۸۴]

امام سرخسیؒ "المبسوط" میں فرماتے ہیں کہ

اگر مشتری کو تین دن کا اختیار حاصل ہو اور وہ اپنے اس خیار کو استعمال کرنے سے قبل وفات پا جائے تو یہ خیار ختم ہو جائے گا اور بیع لازم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر خیار بائع کو حاصل ہو اور بائع وفات پا جائے یا خیار دونوں کو حاصل ہو اور دونوں انتقال کر جائیں تو بیع لازم ہو جائے گی اس امر پر فقہاء کا اجماع ہے کہ خیار کا حق جس پر عائد ہو رہا ہو وہ اگر وفات پا جائے تو خیار باقی رہے گا اور ہمارے نزدیک خیار شرط مورث سے وارث کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ خیار شرط وراثت میں منتقل ہو جاتا ہے اور وارث خیار کے حکم کے مطابق صاحب خیار کی میراث میں تصرف میں اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لیے کہ خیار ایک حق لازم ہے جو بیع کے عقد میں ثابت ہے۔ اس میں وارث مورث کا نائب ہو گا جس طرح کہ بیع ثمن حق کفالت اور رہن میں اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ برخلاف خیار قبول کے کہ یہ غیر لازم ہے[۸۵]

امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ

جس نے اپنے لیے خیار شرط کا حق رکھا ہو وہ خیار کی مدت میں معاملہ کو فسخ کر سکتا ہے اور برقرار بھی رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ دوسرے فریق کی عدم موجودگی میں معاملہ کو روا قرار دے دے تو وہ روا قرار پائے گا لیکن اگر دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں فسخ کر دے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فسخ کرنا جائز نہیں ہو گا جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے[۸۶]

حجر از روئے زبان حجر اور تحجیر کے معنی کسی جگہ کے چاروں طرف پتھر نصب کرنے کے ہیں۔ جس جگہ کے چاروں طرف پتھر لگا دیے گئے ہوں اسے حجر کہتے ہیں۔ اسی مفہوم کی رعایت سے "حجر الکعبہ" کہا جاتا ہے۔ حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے بھی ہیں[۸۷] چنانچہ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں۔

غرض حجر منع کر دینے، روک دینے، باز رکھنے، رکاوٹ بن جانے کے معنی میں بھی

آتا ہے۔ اگر قاضی ایک کم عقل شخص کو یا نابالغ شخص کو اس کے اپنے مال میں آزاد تصرف سے منع کر دے تو اس عمل کے بارے میں کہا جاتا ہے "حجر علیہ فی مالہ"[۸۸] (قاضی نے اس کے اوپر مالی تصرف کی پابندی عائد کر دی)۔

از روئے شریعت حجر کے معنی ہیں

"منع الانسان من التصرف"[۸۹]

ترجمہ: کسی شخص کو تصرف سے روک دینا

الرملی نے زیادہ واضح الفاظ میں تعریف کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حجر کے شرعی معنی ہیں

"المنع من التصرفات المالیۃ"[۹۰]

ترجمہ: مالی تصرفات کی ممانعت کر دینا (حجر ہے)۔

المجلہ میں حجر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"منع شخص مخصوص عن تصرفہ القولی"[۹۱]

ترجمہ: کسی مخصوص شخص کو اس کے قولی تصرف سے روک دینا۔

ہر طرح کے عقود و تصرفات کے لیے "اہلیت" (Capability) یعنی کسی معاملہ یا تصرف کو کرنے کی قانونی قدرت ضروری ہے، علمائے اصول فقہ نے اہلیت کی دو قسمیں کی ہیں۔

- اہلیت وجوب
- اہلیت ادا

اہلیت وجوب ایک ایسا وصف ہے جس کے ذریعے انسان ہر کام کا اہل قرار پاتا ہے خواہ وہ اس کے حق میں ہو یا اس کے برخلاف ہو۔ بالفاظ دیگر اس مفہوم کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی شخص میں شرعی حقوق کے واجب ہونے کی صلاحیت ہونا اہلیت وجوب کہلاتا ہے۔

معاملات کی انجام دہی کے لیے صرف اہلیت وجوب ہی کافی نہیں ہے بلکہ اہلیت ادا کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

اہلیت ادا متعاقدین حقوق کے استعمال کی قدرت کا موجود ہونا ہے[۹۲]

اہلیت وجوب تو پیدائش کے وقت سے موجود ہوتی ہے مگر اہلیت ادا بچے کے سن شعور وتمیز کو پہنچنے کے بعد پیدا ہوتی ہے مگر اہلیت ادا، کے مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ بچہ جو سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اور مجنون، اہلیت ادا سے محروم ہوتے ہیں اور صبی ممیز اور سفیہ ناقص یا قاصر اہلیت کے حامل ہوتے ہیں، ناقص یا قاصر اہلیت کے حامل شخص پر معاملات و تصرفات میں قانونی پابندی عائد کرنا حجر کہلاتا ہے۔

حجر کی اقسام

حجر کی دو قسمیں ہیں:

- وہ حجر جو کسی شخص پر خود اس کے حق کے تحفظ کے لیے عائد کیا جائے۔
- وہ حجر جو کسی شخص پر دوسرے شخص کے حق کے تحفظ کے لیے عائد کیا جائے۔

دوسرے شخص کے حق کی حفاظت کے لیے کسی شخص پر حجر عائد کرنے کی مثال مفلس شخص پر حجر عائد کرنا ہے کہ اس پر اس لیے یہ پابندی لگائی جاتی ہے تاکہ اس کے قرض خواہوں کے حق کی حفاظت ہو، اسی طرح مرض الموت میں مبتلا شخص پر اس کے تہائی مال سے زائد کا تبرع کرنے پر اس کے ورثاء کے تحفظ کے لیے پابندی عائد کی جاتی ہے۔

جن افراد پر ان کے اپنے حق کے تحفظ کے لیے حجر عائد ہوتا ہے، وہ تین ہیں۔

- بچہ
- مجنون
- اور سفیہ (کم عقل)[۹۳]

اسباب حجر

امام الکاسانی حجر کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں...

حجر کے اسباب کے بارے میں آئمہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ حجر کو واجب کرنے والے صرف تین اسباب ہیں اور کوئی سبب نہیں ہے، اور وہ ہیں جنون (پاگل پن)، صبا (بچپن)، اور رق (غلامی) امام زفر کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک

سفہ (بیوقوفی) فضول خرچی (تبذیر) مالدار آدمی کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا، قرض کا چڑھنا، اور قرض دار کے تجارت کرنے سے اس کے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ، بعض وارثوں کے لیے جائیداد کو خالص کر دینے (تلجئہ) کا خوف، قرض خواہوں کے سوا دوسرے لوگوں کے حق میں اقرار کرنے کا خوف بھی حجر کے اسباب میں شامل ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک ایسے بیوقوف (سفیہ) کو جو غلط مصارف میں مال کو خرچ کر کے برباد کرتا ہے، ایسے فضول خرچ کو جو اخراجات میں اسراف کرتا ہے اور تجارت میں دھوکہ دیتا ہے اور اس شخص کو جو قدرت ہونے کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا اور اس کا ٹال مٹول کرنا عدالت میں ظاہر ہو جائے اور قرض خواہ عدالت سے درخواست کریں کہ اس کی جائیداد کو فروخت کر کے اس کے قرض کو چکایا جائے اور اس شخص کو جس پر قرض چڑھ گئے ہوں اور اس کی جائیداد ہو اور قرض خواہوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اپنا مال و دولت دہن تجارت میں ضائع کر بیٹھے گا۔ چنانچہ وہ معاملے کو عدالت میں لے جائیں اور قاضی سے درخواست کریں کہ اس کو تصرف کرنے سے ممانعت کر دی جائے یا انھیں خوف ہو کہ وہ اپنی جائیداد کو بعض ورثاء کے لیے خاص کر دے گا اس لیے وہ قاضی سے استدعا کریں کہ اسے قرض خواہوں کے سوا اور کسی کے حق میں اقرار کرنے کی ممانعت کر دی جائے تو مذکورہ آئمہ اور علماء کے نزدیک ایسے سب لوگوں کو تصرف سے ممانعت کر دی جائے گی[۹۴]

سفیہ پر حجر سفیہ پر حجر عائد کرنے کے جواز کے بارے میں علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

اما من جوز الحجر علی السفیه فقد احتج بقوله تعالیٰ فان کان الذی علیه الحق سفیها او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل هو فلیملل ولیه بالعدل وهو تنصیص علی ان اثبات الولایة علی السفیه وانه مولی علیه ولا یکون ذلك الا بعد الحجر علیه وقال اللہ تعالیٰ ولا تؤتوا السفهاء اموالکم الی ان قال واکسوهم وهذا ایضا تنصیص علی اثبات الحجر علیه بطریق النظر له فان الولی الذی یباشر التصرف فی ماله علی وجه النظر منه

له وروی ان حبان بن منقذ الانصاری رضی اللّٰہ عنہ کان یغبن فی البیاعات لآمّة اصابت رأسه فسال اهله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلم ان یحجر علیه فقال انی لا اصبر عن البیع فقال علیه الصلاۃ والسلام اذا بایعت فقل لاخلابة ولی الخیار ثلاثة ایام فلو لم یکن الحجر بسبب التبذیر فی المال مشروعا عرفا لما سال اهله ذلک؟"[۵۹۵]

ترجمہ: جن فقہاء کے نزدیک سفیہ پر حجر عائد کرنا روا ہے ان کی دلیل اللہ سبحانہ کا یہ فرمان ہے " فان کان الذی علیه الحق سفیها او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل هو فلیملل ولیه بالعدل "(البقرہ ۲۸۲) یہ آیت اس بارے میں مصرح ہے کہ سفیہ پر ولایت ثابت ہے اور سفیہ " مولی علیہ " ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت حجر کے بعد ہی ہوگی ۔ نیز اللہ سبحانہ کا فرمان ہے " ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیٰما وارزقوهم فیها واکسوهم وقولوا لهم قولاً معروفا " یہ آیت بھی اس معاملہ میں واضح ہے کہ بطور نگرانی سفیہ پر حجر عائد کیا جا سکتا ہے کیونکہ ولی جو اس کی جانب سے اس کے مال میں تصرف کرے گا وہ بطور نگرانی کرے گا وہ بھی روایت ہے کہ حبان ابن منقذ انصاری کو سر میں چوٹ لگ جانے کی بنا پر بیع میں دھوکہ ہوتا ہے ۔ ان کے اہل خانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان پر حجر لگا دیا جائے ۔ انھوں نے کہا کہ میں خرید و فروخت کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی بیع کا معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور مجھے تین دن کا اختیار حاصل ہوگا۔ اگر از روئے عرف مال کے ضائع کرنے کی بنا پر حجر لگانا درست نہ ہوتا تو حضرت حبان کے اہل خانہ ان پر حجر عائد کرنے کا مطالبہ نہ کرتے ۔

زیلعی نے " سفیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ۔

"من كانت عادته التبذير والاسراف فى النفقة وان يتصرف تصرفا لا لغرض او لغرض لا يعده العقلاء من اهل الديانة غرضا"[96]

ترجمہ: جس شخص کی عادت تبذیر اور اخراجات میں اسراف ہو اور جو بغیر مقصد تصرف کرے یا اس کے تصرف کا مقصد ایسا ہو جسے دیندار عقلاء مقصد شمار نہ کریں۔

المجلہ میں سفیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"السفيه هو الذى ينفق ماله فى غير موضعه ويبذر فى نفقاته ويضيع امواله ويتلفها بالاسراف والذين لا يزالون يغفلون فى اخذهم واعطائهم ولا يعرفون طريق تجارتهم وتمتعهم بسبب بلاهتهم وخلو قلوبهم يعدون ايضاً من السفهاء"[97]

ترجمہ: سفیہ وہ ہے جو اپنا مال غیر موزوں جگہ استعمال کرے، اخراجات میں فضول خرچی کا مرتکب ہو، اسراف کر کے ضائع اور تلف کرے، نیز ایسے لوگ بھی جو لین دین میں غفلت برتیں اور کم عقلی اور بے خیالی کی بنا پر تجارت کے طریقے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے سے ناواقف ہوں سفہاء میں شمار ہوں گے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سفیہ پر حجر عائد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی آزاد شخص کے تصرفات پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لیے کہ مالی تصرف پر یہ پابندی انسان کے وجود پر عائد ہوتی ہے۔ حالانکہ انسان کے وجود کو مال پر فوقیت حاصل ہے، یعنی مال کے ضائع ہونے کے خطرے سے حفاظت انسان کے تصرفات کی آزادی پر قید عائد کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتی۔ یہی رائے ابن سیرین، نخعی، مجاہد، عبید اللہ، ابن الحسن اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے اور امام زفر اور داؤد ظاہری کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ان تمام فقہاء کے نزدیک کسی بالغ شخص پر حجر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ بالغ ہی اس طرح ہوا ہو کہ اسکی تبذیر کی عادت برقرار ہو تو اس

پر حجر باقی رہے گا۔ لیکن اگر رشد (فہم و ادراک) کے بعد تبذیر کا رویہ ظاہر ہوا تو اس پر حجر نہیں ہے۔

"لکن ینفذ من الفعال ما وافق الحق ویرد ما خالف الحق کغیرہ سواء"[98]

ترجمہ: بلکہ اس کے جو افعال حق کے مطابق ہوں گے وہ نافذ ہوں گے اور جو حق کے خلاف ہوں گے وہ رد ہو جائیں گے جیسے دوسروں کے ہو جاتے ہیں۔

بہرحال جمہور فقہاء امام مالک شافعیؒ اور ابن حنبلؒ اوزاعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر بالغ شخص سے بھی بلوغ رشد کے بعد کسی وقت سفہ ظاہر ہو تو اس پر حجر عائد کیا جائے۔

ازاں بعد امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ حجر قاضی (عدالت) کے عائد کرنے سے ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں ہوتا جبکہ امام محمد الحسن کے نزدیک حجر از خود بھی عائد ہو جاتا ہے۔

امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ

قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ لا أحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ فیما لا غرض لہ فیہ ولا مصلحۃ (وقال) ابو یوسفؒ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وھو قول الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یحجر علیہ ویمنع من التصرف فی مالہ (واذا) حجر القاضی علیہ ثم رفع الی قاض آخر فابطل حجرہ وأطلق عنہ جاز لان الحجر منہ فتوی ولیس بقضاء الاتری انہ لم یوجد المقضی لہ والمقضی علیہ ولو کان قضاء فنفس القضاء مختلف فیہ فلا بد من الامضاء حتی لو رفع تصرفہ بعد الحجر الی القاضی الحاجر اولی غیرہ فقضی بطلان تصرفہ ثم رفع الی قاض آخر نفذا بطالہ لاتصال الامضاء بہ فلا یقبل

النقض بعد ذلك"[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں آزاد عاقل اور بالغ شخص پر جو سفیہ ہو حجر عائد کرنے کا قائل نہیں ہوں، میرے نزدیک اس کے مالی تصرفات صحیح ہیں۔ اگرچہ وہ مبذر (مال لٹانے والا) اور مفسد (نقصان دہ تصرفات کرنے والا) ہی کیوں نہ ہو اور وہ اپنا مال بغیر کسی مقصود اور بغیر مصلحت لٹا رہا ہو۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد فرماتے ہیں اور یہی امام شافعی کی رائے ہے کہ اس پر پابندی لگائی جائے گی اور اسے مالی تصرف سے روکا جائے گا۔ اگر ایک قاضی کسی شخص پر حجر عائد کر دے اور اس پر کسی دوسرے قاضی کی عدالت میں مرافع ہو جائے جو اس کے حجر کو باطل قرار دے دے اور اس کے تصرف کو رد قرار دے دے تو (دوسرے قاضی کا یہ فیصلہ) صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا حجر عائد کرنے کا حکم جاری کرنا قضاء نہیں ہے فتویٰ ہے۔ خیال فرمائیے یہاں نہ وہ شخص موجود ہے جس کے حق میں فیصلہ کیا جائے (مقضی لہ) اور نہ وہ شخص موجود ہے جس کے خلاف فیصلہ ہو (مقضی علیہ) اور اگر اسے قضاء قرار بھی دے دیا جائے تو چونکہ خود قضاء میں اختلاف ہو گیا ہے اس لیے (بعد کی) قضا جاری ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر اس کے حجر کے بعد کسی تصرف کا اس قاضی کی عدالت میں مرافعہ کیا جائے جس نے حجر عائد کیا تھا یا کسی اور قاضی کی عدالت میں معاملہ پیش کر دیا جائے اور وہ اس کے تصرف کو باطل قرار دے دے پھر کسی اور قاضی کی عدالت میں مرافعہ کیا جائے تو وہ تصرف باطل ہی رہے گا۔ کیونکہ فیصلہ کا نفاذ اس سے متصل ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس میں نقص واقع نہیں ہوگا۔

الکاسانیؒ فرماتے ہیں:

ولو حجر القاضي على السفيه ونحوه لم ينفذ حجره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى حتى لو تصرف بعد الحجر ينفذ تصرفه عنده وان كان الحجر ههنا محل الاجتهاد لان الحجر من القاضي

قضاء منه و قضاء القاضی فی المجتهدات انما ینفذ ویصیر کالمتفق علیه اذا لم یکن نفس القضاء محل الاجتهاد فاما اذا کان فلا بخلاف سائر المجتهدات التی لا یرجع الاجتهاد فیها الی نفس القضاء وقد ذکرنا الفرق فی کتاب أدب القاضی واختلف ابویوسف ومحمد فیما بینهما فی السفیه انه هل یصیر محجورا علیه بنفس السفه ام یقف الانحجار علی حجر القاضی قال ابویوسف لا یصیر محجورا الا بحجر القاضی وقال محمد ینحجر بنفس السفه من غیر الحاجة الی حجر القاضی[۱]

ترجمہ: اگر قاضی، سفیہ (بیوقوف) وغیرہ کے خلاف ممانعت تصرف کا حکم جاری کردے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا حکم ممانعت نافذ نہیں ہوگا چنانچہ اگر وہ ممانعت کے بعد کوئی تصرف کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا یہ تصرف نافذ ہوگا۔ اگرچہ اس موقعہ پر ممانعت تصرف محل اجتہاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کی طرف سے ممانعت اس کا ایک عدالتی فیصلہ ہے اور ان امور میں جو کہ محل اجتہاد ہوں قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے اور متفق علیہ (جس پر سب کا اتفاق ہو) بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ عدالتی فیصلہ خود ہی محل اجتہاد نہ ہو اور اگر وہ فیصلہ ہی محل اجتہاد ہو تو پھر نافذ العمل نہیں ہوتا بخلاف ان تمام اجتہادی امور کے جن کے عدالتی فیصلے خود محل اجتہاد نہ ہوں۔ اس فرق کا ذکر ہم کتاب ادب القاضی میں کرچکے ہیں۔ امام ابویوسف اور امام محمد کے درمیان سفیہ (بیوقوف) کے حجر کی بابت اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ محض بیوقوفی کی بنا پر ہی مجحور ہوجائے گا اور قاضی کی طرف سے اس کو حجر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ المجلہ میں امام ابویوسف کے مسلک کو اختیار کیا گیا ہے چنانچہ دفعہ نمبر ۹۵۸ ہے۔

"للحاکم ان یحجر علی السفیه"[۲]

ترجمہ: قاضی کے لیے سفیہ پر حجر لگانا درست ہے۔

قاضی (عدالت) جب کسی شخص پر حجر عائد کرے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ اعلان کروائے کہ فلاں شخص پر فلاں سبب کی بنا پر حجر عائد کر دیا گیا ہے چنانچہ المجلہ میں ہے۔

"اذا حجر الحاکم علی السفیه والمدیون یشهر ویعلن للناس سبب الحجر"[۳]

ترجمہ: اگر حاکم (قاضی) سفیہ اور مقروض پر حجر عائد کر دے تو وہ لوگوں کے لیے حجر کا سبب بیان کر کے اس کی تشہیر اور اعلان کرے۔

قاضی (عدالت) جس شخص پر حجر عائد کرے اس کی حجر کے فیصلہ کے وقت عدالت میں حاضری ضروری نہیں ہے البتہ عدالت اس امر کا اہتمام کرے گی کہ اسے اطلاع ہو جائے اور جب تک اسے اطلاع نہیں ملتی اس وقت تک اس کے عقود اور اقرار معتبر ہوں گے۔ المجلہ میں ہے۔

لایشترط حضور من اراد الحاکم حجرہ ویصح حجرہ غیابا ایضا ولکن یشترط وصول خبر الحجر الی ذالك المحجور ولاینحجر مالم یصل الیه خبر الحجر وتکون عقودہ وتقاریرہ معتبرۃ الی ذالك الوقت[۴]

ترجمہ: حاکم جس شخص پر حجر عائد کرنا چاہے، اس کی حاضری شرط نہیں ہے بلکہ اس کی غیر موجودگی میں بھی حجر عائد کیا جا سکتا ہے۔ البتہ محجور شخص کو اس حجر کی خبر پہنچانا شرط ہے اور جب تک اسے حجر عائد ہونے کی خبر نہیں اس کے اس وقت تک کے عقود اور اقرارات معتبر ہوں گے۔

محجور شخص (جس پر حجر عائد ہوا ہے) کی حاضری اس لیے شرط نہیں ہے کہ حجر ایک پہلو سے قضاء ہے اور دوسرے فتویٰ۔ قضا کا پہلو یہ ہے کہ بغیر حکم حاکم (عدالت) حجر عائد نہیں ہوتا اور فتویٰ اس طرح ہے کہ اس میں نہ دعویٰ ہے اور نہ وہ فریق موجود ہیں جن کے حق میں یا جن کے خلاف فیصلہ کیا جائے[۵]

حجر کی مدت کے دوران اگر کوئی محجور شخص کوئی تجارت کر کے اس میں منافع کمائے تو یہ

منافع بھی حجر کی پابندی کے تحت آجائے گا۔ چنانچہ المدونۃ میں ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ

"لو ان سفیھا اتجر فاصاب مالا یحجر علیہ فیہ"[۱۰۶]

ترجمہ: اگر سفیہ تجارت کرکے مال کمائے تو اس منافع میں بھی اس پر حجر عائد ہوگا۔

محجور شخص میں اہلیت کے فقدان کی وہ صورت ختم ہوجائے جس کی بنا پر حجر عائد کیا گیا تو یہ حجر اٹھا لیا جائے گا اور اس میں بھی عدالتی حکم کی ضرورت ہوگی۔

"اذا اکتسب السفیہ المحجور صلاحًا فک الحاکم حجرہ"[۱۰۷]

ترجمہ: سفیہ محجور اگر پھر صلاحیت حاصل کرے تو حاکم اس کا حجر ختم کردے گا۔

حجر کی پابندی ختم ہونے کے اعتبار سے حجر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حجر وہ ہے جس کے رفع ہونے کے لیے حکم حاکم (عدالت) کی ضرورت نہیں ہے یہ حجر وہ ہے جو جنون کی وجہ سے مجنون پر عائد ہوتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں حجر اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک حاکم (عدالت) اس کے رفع ہونے کا حکم نہ کرے اور یہ حجر وہ ہے جو سفہ کی بنا پر عائد کیا گیا ہے۔ تیسرا حجر وہ ہے جو بچہ پر عائد ہوتا ہے۔ اس کے رفع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس میں حکم حاکم کی ضرورت نہیں ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک بچہ سے رفع حجر کے لیے عدالتی حکم ضروری ہے۔[۱۰۸]

حواشی

۱۔ لسان العرب، تاج العروس، النہایۃ (زیر مادہ خلب)

۲۔ Lane: English Arabic Lexicon

۳۔ صیح البخاری بحاشیۃ السندی، الحیل، باب ماینتہی من الخداع فی البیوع ۴/۲۰۴۔
البیوع، باب مایکرہ من الخداع فی البیع ۲/۱۳۔
الاستقراض، باب ماینتہی عن اضاعۃ المال ۲/ ۵۹۔
الخصومات باب من رد امر السفیہ ۲/۶۰۔
صیح مسلم، بشرح النووی البیوع ۱۰/۱۷۶، بیروت۔
سنن ابی داؤد، البیوع باب الرجل یقول فی البیع لا خلابہ، ۲/۱۰۴ بیروت۔
سنن النسائی بشرح السیوطی، البیوع الخدیعۃ فی البیوع ۷/۲۵۲۔
دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۹۳۰ء۔
السنن الکبری، للبیہقی ۵/۲۷۳، بیروت۔
مسند احمد بن حنبل ۲/ ۱۲۹۔
جامع الاصول ۱/۴۱۴ الطبعۃ الثانیہ بیروت ۱۹۸۰ء۔
الشوکانی، نیل الاوطار ۵/۲۰۶، طبع مصر۔
مؤطا امام مالک، جامع البیوع (کشف الغطاء عن وجہ الموطا ص ۶۱۵ طبع کراتشی)
جمع الفوائد و مجمع الزوائد، ۱/ ۲۷۴ طبع لاہور۔
ابن تیمیہ، المنتقی من اخبار المصطفیٰ ۲/ ۳۳۳ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱۹۸۲ء۔
مصنف عبد الرزاق ۸/۳۱۲، الطبعۃ الاولی ۱۹۷۲ء۔
ابن الجارود، المنتقی، ص ۱۹۷، طبع پاکستان۔

۴ ـ سنن ابی داؤد ، البیوع ، باب الرجل یقول فی البیع لاخلابۃ ، ۲/۱۰۴
تحفۃ الاحوذی ، البیوع ، باب ماجار فیمن یخدع فی البیع ، ۴/۴۵۵ ۔
سنن النسائی ، البیوع الخدیعۃ فی البیوع ۷/۲۵۲ ۔
سنن ابن ماجہ ، الاحکام ، باب الحجر علی من یفسد مالہ ، ص ۱۷۱ طبع کراتشی ۔
مسند احمد بن حنبل ۳/۲۱۷ ۔
جمع الفوائد ومجمع الزوائد ۱/۴۲۷ طبع لاہور ۔
جامع الاصول ۱/۴۱۵ ۔
الشوکانی ، نیل الاوطار ۱/۴۱۴ ۔
المنتقی من اخبار المصطفیٰ ۲/۳۳۴ ۔
سنن الدارقطنی مع التعلیق المغنی ، ۳/ ۵۵ ، المدینۃ المنورہ ۱۹۶۶ء ۔
ابن الجارود ، المنتقی ۱۹۷ المکتبۃ الاثریہ ۔
۵ ـ السنن الکبری ۵/۷۳
مسند الحمیدی ۲/۲۹۲ تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی ، المدینۃ المنورہ ۔
المنتقی من اخبار المصطفیٰ ۲/۳۳۴ ۔
نیل الاوطار ۱/۴۱۴ ۔
۶ ـ المنتقی من اخبار المصطفیٰ ۲/ ۳۳۵ ۔
البخاری التاریخ الکبیر ۸/ ۱۷ ۔
سنن الدارقطنی ۳/۵۵ ۔
۷ ـ السنن الکبریٰ ۵/ ۲۷۴ ۔
ابن حجر العسقلانی الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ، ۲/۱۷۶ ، القاہرہ ۔
۸ ـ ابن الاثیر اسد الغابۃ ۱/۳۶۵ ، ۴/ ۴۲۰ المکتبۃ الاسلامیہ ۔
ابن ماکولا ، الاکمال ۲/۳۰۳ بیروت ۔
ابن عبد البر ، الاستیعاب (علی ہامش الاصابہ)

۹ - النووی ، شرح صحیح مسلم ۱۰/ ۱۷۶ -

۱۰ - العلامۃ اشفاق الرحمٰن الکاندھلوی ، کشف المغطا عن وجہ الموطا ، ص ۶۱۵ ، طبع پاکستان

۱۱ - الاصابۃ ۲/ ۱۹۷ -

۱۲ - سنن الدارقطنی ۳/ ۵۴ -

۱۳ - البخاری التاریخ الکبیر ، ۸/ ۱۷ ، ۱۸ ، بیروت -

۱۴ - سنن الدارقطنی ۳/ ۵۵ -

۱۵ - ابن حجر العسقلانی فتح الباری ۴/ ۳۳۷ بیروت -

۱۶ - سنن الدارقطنی ۳/ ۵۶ -

۱۷ - نیل الاوطار ۵/ ۲۰۶ -

۱۸ - الدکتور مصطفیٰ احمد الزرقاء الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۰۴ ، فقرہ نمبر ۱۸۶ ،
طبعۃ ثامنہ ، دمشق ۱۹۶۴ء ،
راقم الحروف نے اس کتاب کی جلد اول کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے ، جلد دوم زیر ترجمہ ہے۔

۱۹ - الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۱۷ ، ف ۱۸۸

۲۰ - الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۱۷ ، ف ۱۸۸

۲۱ - مسند احمد بن حنبل ۳/ ۱۳۵ ، ۱۵۴ ، ۲۱۰ ، ۲۵۱ -

۲۲ - مسند احمد بن حنبل ۲/ ۵۰ ، ۲۴۲ ، ۴۱۷ ، ۳/ ۴۶۶ ، ۴/ ۴۵ -

۲۳ - عبدالرزاق السنہوری مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی ۲/ ۱۵۴ ، ۱۵۵ ، بیروت -

۲۴ - مصادر الحق ۲/ ۱۵۵ -

۲۵ - السرخسی المبسوط ۱۳/ ۷۸ -
مصادر الحق ۲/ ۱۵۵ ، ۱۵۶ -

۲۶ - ابن الہمام فتح القدیر ۵/ ۲۵۶ -
مصادر الحق ۲/ ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، بیروت -

۲۷ - مصادر الحق ۲/ ۱۵۸ -

۲۸ ۔ الامام مالک المدونۃ الکبری ۱۰/ ۵۹ بیروت ۔
مصادر الحق ۲ / ۱۵۹ ۔
۲۹ ۔ مصادر الحق ۲ / ۱۶۰ ۔
۳۰ ۔ المہذب ۱ / ۲۸۸ ۔
مصادر الحق ۲ / ۱۶۰ ۔
۳۱ ۔ المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۱۰۰ بیروت ۔
۳۲ ۔ لسان العرب زیر مادہ نجش
۳۳ ۔ صحیح البخاری البیوع باب النجش ۲/ ۱۸ ۔
صحیح مسلم البیوع ۱۰/ ۱۶۱ ۔
۳۴ ۔ صحیح البخاری البیوع باب النہی البائع ۲/ ۱۸ ۔
صحیح مسلم، البیوع ۱۰/ ۱۶۰ ۔

یہ حدیث صحیحین میں بروایت مالک عن نافع عن ابن عمر مروی ہے جسے علمائے حدیث کے نزدیک اصح الاسانید کا درجہ حاصل ہے محدثین کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ امام شافعیؒ، امام مالک کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور متاخرین کی رائے یہ ہے کہ امام شافعیؒ سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل سب سے مستند راوی ہیں ۔ اس بنا پر اس سلسلۂ سند کو سلسلۃ الذہب، (سونے کی لڑی) کہا جاتا ہے مگر مسند احمد بن حنبل میں اس سند سے ایک ہی روایت مروی ہے، جو درحقیقت چار احادیث ہیں جنہیں امام احمد بن حنبلؒ نے یکجا کر کے بیان کر دیا ہے (السیوطی تدریب الراوی ۱/ ۷۸، الطبعۃ الثانیۃ، المدینۃ المنورہ، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۱۰۸ ۔

۳۵ ۔ الجامع للترمذی، بتحقیق احمد محمد شاکر ۳/ ۵۸۸، طبع مصر ۔
۳۶ ۔ غبن "غ" کے زبر اور "ب" کے سکون کے ساتھ ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین میں سے ایک کا مفاد دوسرے کے مفاد پر اس طرح غالب

آجائے کہ جو کچھ وہ وصول کر رہا ہے اور جو کچھ وہ دے رہا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی توازن نہ ہو۔ از روئے زبان یہ لفظ "غبن الثوب" سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کپڑے کے چھوٹے ہونے کی بنا پر اس کی دو تہیں بیچ میں سے سی کر جوڑ دے۔ عقود معاوضہ (COMMUTATIVE CONTRACTS) مثلاً بیع، اجارہ، صلح اور تقسیم میں غبن دونوں فریق کی طرف سے واقع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی چیز کو اس کی قیمت مثل سے زیادہ میں فروخت کر دے، یا قیمت مثل سے کم میں فروخت کر دے تو فروخت کنندہ اکثر میں غبن کرنے والا ہوگا اور کم میں مغبون ہوگا۔

غبن کی مقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء نے غبن کی دو قسمیں کی ہیں غبن یسیر (معمولی گھاٹا) اور غبن فاحش (بڑا گھاٹا) "غبن یسیر" یہ ہے کہ قیمتوں میں تفاوت، لوگوں کے درمیان نرخ کی مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے، مثلاً کوئی شئے دس دینار میں فروخت کی گئی اور اس شئے کو اگر جاننے والوں کو دکھلایا جائے تو ان میں سے کچھ دس قیمت لگائیں اور کچھ نو (۹)، اس صورت میں ایک دینار جس میں اختلاف ہے اسے غبن یسیر کہیں گے۔ کیونکہ یہ فقہاء کے قول کے مطابق قیمت لگانے والوں کی قیمت کے اندازے میں داخل ہے۔ "غبن فاحش" یہ ہے کہ شئے کی قیمت بازار کے مروجہ نرخوں کی حدود سے تجاوز کر جائے، مثلاً کوئی شئے جو دس روپے میں فروخت کی گئی ہو اسے بعض جاننے والے آٹھ کی قرار دے دیں اور بعض نو کی یا سات کی بتائیں۔ یعنی اس شئے کی قیمت کا علم رکھنے والوں میں سے کوئی بھی اس کی قیمت دس نہ قرار دے۔ اس طرح دس کے درمیان اور جاننے والے لوگوں کے بتائے ہوئے زیادہ سے زیادہ اندازے کے درمیان جو تفاوت ہے وہ غبن فاحش کہلائے گا۔"

مگر بعد کے حنفی فقہاء نے عدالتی اندازوں کا تعین اور ان کا ایک پیمانہ مقرر کرنے کے لیے غبن فاحش کی یہ تحدید کی ہے کہ منقولہ شئے میں قیمت کا بیسواں حصہ،

جانوروں میں قیمت کا دسواں حصّہ، جائیداد میں قیمت کا پانچواں حصّہ، جو غبن حدود تک پہنچ جائے گا وہ غبن فاحش ہوگا اور جو اس سے کم ہوگا وہ غبن یسیر ہوگا، اور یہی اصول "المجلہ" نے مادہ نمبر ۱۶۵ میں بتایا ہے۔
یہ امر قابل لحاظ ہے کہ غبن یسیر کی فقہاء کی نظر میں غالباً کوئی تاثیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اس لیے فقہاء نے جن مقامات پر غبن کے کسی تاثر کا ذکر کیا ہے اس سے مراد فاحش ہی ہے۔
(الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ص ۴۰۷، ۴۰۸)۔

۳۷۔ الشرح الکبیر ۴/۷۹۔
الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۲/۴۰۸، ف ۱۸۷۔
۳۸۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۲/۴۰۹، ف ۱۸۷۔
۳۹۔ بدائع الصنائع ۵/۲۳۳۔
۴۰۔ ابن رشد بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۶، طبع پاکستان۔
۴۱۔ لسان العرب زیر مادہ غرر۔
المفرادات للراغب زیر مادہ غرر۔
۴۲۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۳/۴۰۹، ف ۱۸۷۔
۴۳۔ صحیح مسلم کتاب البیوع۔
الجامع للترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی کراہیۃ بیع الغرر ۳/۲۳۔
۴۴۔ النووی شرح صحیح مسلم، البیوع، بطلان بیع الحصاۃ ۱۰/۱۵۶، ۱۵۷ بیروت۔
۴۵۔ القرافی الفروق ۳/۶۶۵، ۶۶۶ (الفرق الثالث والتسعون المائۃ طبع بیروت۔
۴۶۔ مصادر الحق ۳/۴۸، ۴۹، بیروت۔
۴۷۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/۴۰۹، ف ۱۸۷/۳۔
۴۸۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/۴۱۰۔
۴۹۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۴۱۰-۴۱۱۔

٥٠ ـ صحيح البخاري ، بحاشية السندي ، كتاب البيوع ،
باب ان شاء رد المصراة ٢/١٨ ـ
الجامع للترمذي كتاب البيوع ما جاء في المصراة ٣/٥٤٤ ـ
تحقيق احمد محمد شاكر .
المغني مع الشرح الكبير ٤/٨٠ ـ
٥١ ـ صحيح البخاري كتاب البيوع النهي للبائع ان لا يحفل الابل ٢/١٨ ـ
٥٢ ـ الجامع للترمذي البيوع باب ما جاء بيع المحفلات ٣/٥٥٩ ـ
٥٣ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ١/ ٤١١ ـ ٤١٢ ـ
٥٤ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ١/ ٤١٢ ـ
٥٥ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ١/ ٤١٣ ـ
٥٦ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ص ٤١٣ ، ٤١٤ ، ف ١٨٧/٤ ـ
٥٧ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ص ٤١٤ ، ف ١٨٧ /٤ ـ
٥٨ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ص ٤١٥ ، ٤١٦ ، ف ١٨٨ ـ
٥٩ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ص ٤١٧ ، ٤١٨ ، ف ١٨٩ ـ
٦٠ ـ المغني مع الشرح الكبير ٤/ ٧٩ ـ
٦١ ـ المغني مع الشرح الكبير ٤/ ٧٩ ـ
علي بن سليمان المرداوي الانصاف في معرفة الراجح من الخلاف ص ، ٣٩ بيروت .
٦٢ ـ مصادر الحق ٢/ ١٦٢ ـ
٦٣ ـ الموسوعة الفقهية ، الكويت استرسال
٦٤ ـ الموسوعة الفقهية استرسال
٦٥ ـ الفقه الاسلامي في ثوبه الجديد ١/ ٤١٩ ، ٤٢٠ ـ
٦٦ ـ المغني والشرح الكبير ٤/ ٧٧
نيل الاوطار ٥/ ١٩٦ ـ

۶۷۔ صحیح البخاری (البیوع باب النہی عن تلقی الرکبان) ۲/ ۱۹ ۔
صحیح مسلم (البیوع تحریم تلقی الجلب) ۱۰/ ۱۶۲ ۔

۶۸۔ صحیح مسلم ۱۰/ ۱۶۳ ۔

۶۹۔ الشوکانی نیل الاوطار ۵/ ۱۸۸ ۔

۷۰۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ص ۴۶۵، ف ۲۰۶ ۔

۷۱۔ المجلہ، دفعہ ۳۰۰، ۳۶۰، ۴۹۷، ۵۲۱ ۔
الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ص ۴۹۷، ف ۲۰۸ ۔

۷۲۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۹۸، ف ۲۰۶

۷۳۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۹۷، ف ۲۰۶

۷۴۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید ۱/ ۴۹۷، ف ۲۰۷

۷۵۔ السرخسی المبسوط ۱۲/ ۴۰، ۴۱ ۔

۷۶۔ المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۹۵، ۹۶، المبسوط ۱۳/ ۴۰

۷۷۔ ابن رشد بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۵۸، لاہور ۔

۷۸۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۴ بیروت ۔

۷۹۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۵ ۔

۸۰۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۵ ۔

۸۱۔ بدائع الصنائع ۵/ ۲۶۴، ۲۶۶ ۔

۸۲۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۸ ۔

۸۳۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۸، ۲۰۹ ۔

۸۴۔ مصادر الحق ۴/ ۲۰۹ ۔

۸۵۔ المبسوط ۱۳/ ۴۲ ۔

امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ..... "جس نے اپنے لیے خیار شرط کا حق رکھا ہو وہ خیار کی مدت میں معاملہ کو فسخ کر سکتا ہے اور برقرار بھی رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ

دوسرے فریق کی عدم موجودگی میں معاملہ کو روا قرار دے دے تو وہ روا قرار پائے گا لیکن اگر دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں فسخ کر دے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فسخ کرنا جائز نہیں ہوگا جبکہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہی رائے امام شافعی کی ہے"۔

۸۶۔ فتح القدیر ۵/ ۱۲۰ ۔

۸۷۔ الراغب الاصفہانی المفرادت ۱۰۸ بیروت ۔

۸۸۔ Lane: English Arabic lexicon

۸۹۔ المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۵۰۸ بیروت ۱۹۷۲ء ۔

۹۰۔ الرملی نہایۃ المحتاج ۴/ ۳۴۲ ۔

۹۱۔ المجلہ دفعہ نمبر ۱۴۱۹ ۔

۹۲۔ صبحی محمصانی النظریۃ العامہ للموجبات والعقود ص ۳۵۳، طبع ثانیۃ، بیروت ۱۹۷۲ء۔

۹۳۔ المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۵۰۸ ۔

۹۴۔ بدائع الصنائع ۷/ ۱۶۹ ۔

۹۵۔ المبسوط ۲۴/ ۱۵۷، ۱۵۸ ۔

۹۶۔ الزیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۵/ ۱۹۲ ۔

۹۷۔ المجلہ دفعہ نمبر ۹۴۶ ۔

۹۸۔ صبحی محمصانی النظریہ العامہ للموجبات والعقود ۳۷۸ بیروت ۔

۹۹۔ المدونۃ ۵/ ۲۲۴ ۔

۱۰۰۔ ابن الہمام فتح القدیر ۸/ ۱۹۳، ۱۹۴ ۔
ابن شحنہ لسان الحکام (علی ہامش معین الحکام) ۱۰۶ ۔

۱۰۱۔ بدائع الصنائع ۷/ ۱۷۹ ۔

۱۰۲۔ المجلہ مادہ نمبر ۹۵۸ ۔

۱۰۳۔ المجلہ مادہ نمبر ۹۶۱ ۔

١٠٤ ـ المجله ماده نمبر ٩٦٢ ـ
١٠٥ ـ المجله ماده نمبر ٩٦٢ ـ
١٠٦ ـ المدونة الكبرى ٩٩٧ ـ
١٠٧ ـ المجله دفعه نمبر ٩٩٧ ـ
١٠٨ ـ المغنى مع الشرح الكبير ٤ / ٥١٠